بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن.

(سیرت النبی)

کے موضوع پر

لجنہ علمیہ، ریاض کی پہلی ورکشاپ

۲۷ جنوری ۲۰۱۲ء بروز جمعہ، بمقام مشعل استراحہ (الریاض)

نمبر شمار	عنوان	مقالہ نگار
(۱)	لباس النبی ﷺ	(مولانا محمد نجیب سنبھلی قاسمی)
(۲)	اخلاق النبی ﷺ	(مولانا اشرف علی قاسمی)
(۳)	سیرت نبوی ﷺ کی خصوصیات عظمیٰ	(مولانا مفتی عاشق الٰہی قاسمی)
(۴)	نبی رحمت کی اپنی امت سے محبت اور امت کیلئے درود کی اہمیت	(مولانا محمد احسن ندوی)
(۵)	ایک نرم خو انسان	(مولانا محمد ارشد قاسمی)
(۶)	الفضل ماشہدت بہ الاعداء	(مولانا شفیق احمد قاسمی)
(۷)	مکانۃ الرسول ﷺ فی التعامل مع اصحابہ واھمیۃ الصلاۃ علیہ	(مولانا احتشام الحق)
(۸)	بنوقریظہ کا قتل: انکے اپنے گناہوں کی سزا تھی	(مولانا غفران ساجد قاسمی)
(۹)	نبی اکرم ﷺ کا امت مسلمہ کو کسب حلال کی تلقین	(مولانا محمد انعام الحق قاسمی)
(۱۰)	دہشت گردی اور دہشت گرد سنت نبوی کی روشنی میں	(مولانا ذاکر اعظمی ندوی)
(۱۱)	حضور اکرم ﷺ کی شان عبدیت (بندگی)	(مولانا شبیر احمد ندوی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن.

لباس النبی ﷺ

پہلا باب : لباس :

یہ مقالہ سید الانبیاء وسید البشر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لباس کے بیان میں ہے۔اس مقالہ کو لکھنے کا اہم مقصد وغرض یہ ہے کہ ہم اپنے لباس میں حتی الامکان نبی اکرم ﷺ کے طریقہ کو اختیار کریں اور وہ لباس جس کی وضع وقطع اور پہننا غیر مسنون ہے اس سے پرہیز کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے طریقہ کو کل قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے نمونہ بنایا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: لَقَدْ کَانَ فِی رَسُولِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُو اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الآخِرَ (سورۂ الاحزاب ۲۱) تم سب کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات بہترین نمونہ ہے۔

لباس مصدر ہے بمعنی ملبوس (یعنی پوشاک) کے جیسا کہ کتاب بمعنی مکتوب۔ لباس کا لفظ عمامہ، ٹوپی، قمیص، جبہ، چادر، تہبند، پاجامہ اور جو کچھ پہننے میں آئے سب کو شامل ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے لباس کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: یَا بَنِی آدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاساً یُّوَارِی سَوْآتِکُمْ وَرِیْشاً وَلِبَاسُ التَّقْوَی ذٰلِکَ خَیْر (سورۂ الاعراف ۲۶) اے آدم علیہ السلام کی اولاد ہم نے تمہارے لئے لباس بنایا جو تمہاری شرم گاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور بہترین لباس تقوی کا لباس ہے۔ لِبَاسُ التقوی سے مراد وہ لباس ہے جس میں حیا ہو۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَجَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ (سورۂ النحل ۸۱) اور تمہیں ایسی پوشاکیں بخشیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں۔

قرآن وسنت کی روشنی میں علماء کرام نے تحریر کیا ہے کہ انسان اپنے علاقہ کی عادات واطوار کے لحاظ سے چند شرائط کے ساتھ کوئی بھی لباس پہن سکتا ہے کیونکہ لباس میں اصل جواز ہے جیسا کہ سورۂ الاعراف آیت نمبر ۳۲ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ لباس اور کھانے کی چیزوں میں وہی چیز حرام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

دوسرا باب : شرعی لباس کے چند بنیادی شرائط :

نبی اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کی روشنی میں علماء کرام نے لباس کے بعض حسب ذیل شرائط تحریر کئے ہیں:

۱) مرد حضرات کے لئے ایسا لباس پہننا فرض ہے، جس سے ناف سے لے کر گھٹنے تک جسم چھپ جائے اور ایسا لباس پہننا سنت ہے جس سے ہاتھ، پیر اور چہرے کے علاوہ مکمل جسم چھپ جائے۔ عورتوں کے لئے ایسا لباس پہننا فرض ہے، جس سے ہاتھ، پیر اور چہرے کے علاوہ ان کا پورا جسم چھپ جائے۔ (نوٹ: یہاں لباس کا بیان ہے نہ کہ پردے کا، غرضیکہ غیر محرم کے سامنے عورت کو چہرا ڈھانکنا ضروری ہے۔)

۲) لباس نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ (مثلاً مرد حضرات کیلئے ریشمی کپڑے اور خالص سرخ یا زرد رنگ کا لباس)

۳) ایسا تنگ یا خفیف لباس نہ ہو جس سے جسم کے اعضاء نظر آئیں۔

۴) مردوں کا لباس عورتوں کے مشابہ اور عورتوں کا لباس مردوں کے مشابہ نہ ہو۔

۵) مردوں کا لباس زیادہ رنگین اور عورتوں کا لباس زیادہ خوشبو والا نہ ہو۔

۶) مردوں کا لباس ٹخنوں سے اوپر جبکہ عورتوں کا لباس ٹخنوں سے نیچے ہو۔

۷) کفار ومشرکین کے مذہبی لباس سے مشابہت نہ ہو۔

تیسرا باب: آپ ﷺ کا پسندیدہ لباس "سفید پوشاک" :

امت مسلمہ اس بات پر متفق ہے کہ نبی اکرم ﷺ سفید کپڑوں کو بہت پسند فرماتے تھے۔ متعدد احادیث میں اس کا تذکرہ ملتا ہے، یہاں اختصار کی وجہ سے صرف ۲ حدیثیں ذکر کر رہا ہوں:

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کپڑوں میں سے سفید کو اختیار کیا کرو کیونکہ وہ تمہارے کپڑوں میں بہترین کپڑے ہیں اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔ (ترمذی/الجنائز ۹۹۴، ابوداؤد/اللباس ۴۰۶۱، ابن ماجہ/باب ماجاء فی الجنائز، مسند احمد/۲۴۷۱، صحیح ابن حبان)

☆ حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سفید لباس پہنو کیونکہ وہ بہت پاکیزہ، بہت صاف اور بہت اچھا ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔ (النسائی۔ الامر بلبس البیض من الثیاب، ترمذی، ابن ماجہ)

زیادہ پاکیزہ اس لئے کہ وہ بہت جلدی میلے ہو جاتے ہیں اسی لئے زیادہ دھوئے جاتے ہیں برخلاف رنگین کپڑوں کے کیونکہ دیر سے دھوئے جانے کی وجہ سے ان میں زیادہ گندگی ہوتی ہے۔ اچھے اس لئے کہ طبیعت سلیمہ ان کی طرف میلان کرتی ہے۔ (اشعۃ اللمعات۔ کتاب اللباس) شیخ فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ (متوفی ۳۷۳ھ) نے اپنی کتاب "بستان العارفین" میں اور فقہ حنفی کی مشہور و معروف کتاب "ردالمحتار" کے مصنف علامہ شامیؒ نے تحریر کیا ہے کہ رنگوں میں پسندیدہ رنگ سفید ہے اور سفید لباس پہننا سنت ہے۔

چوتھا باب : رنگین لباس کے متعلق آپ ﷺ کے ارشادات وعمل :

نبی اکرم ﷺ زیادہ تر سفید لباس پہنا کرتے تھے اگرچہ دوسرے رنگ کے کپڑے بھی آپ ﷺ نے استعمال کئے ہیں۔ رنگین لباس چادر یا عبایہ یا جبہ کی شکل میں عموماً ہوا کرتا تھا کیونکہ آپ ﷺ کی قمیص اور تہبند عموماً سفید ہوا کرتی تھی۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو خالص زرد رنگ کے کپڑوں میں ملبوس دیکھا تو فرمایا کہ یہ کافروں کا لباس ہے اس کو نہ پہنو۔ (مسلم ۲۰۷۷) ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو جلا ڈالو۔

☆ حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نہ تو میں ارغوانی گھوڑے پر سوار ہوں گا اور نہ پیلے رنگ کے کپڑے پہنوں گا جو ریشمی حاشیہ والے ہوں اور فرمایا کہ خبردار رہو کہ مردوں کی خوشبو وہ خوشبو ہے جس میں رنگ نہ ہو اور عورتوں کی خوشبو وہ خوشبو ہے جس میں خوشبو نہ ہو رنگ ہو۔ (مشکوۃ ص ۳۷۵) ارغوان ایک سرخ رنگ کا پھول ہے، اب ہر سرخ رنگ کو ارغوانی کہا جاتا ہے، وہی یہاں مراد ہے۔

☆ حضرت ابی رِمثہ رفاعہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو دو سبز کپڑوں میں ملبوس دیکھا۔ (ابوداؤد ۴۰۶۵، ترمذی ۲۸۱۳)

☆ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا قد درمیانی تھا۔ ایک مرتبہ میں نے آپ ﷺ کو سرخ دھاریوں والی چادر میں ملبوس دیکھا۔ میں نے کبھی بھی اس سے زیادہ کوئی خوبصورت منظر نہیں دیکھا۔ (بخاری ۲۵۸/۱۰ و مسلم ۲۳۳۷)

☆ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ سرخ دھاریوں والی یمنی چادر کو بہت پسند فرماتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

﴿وضاحت﴾: بعض روایات میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے سرخ پوشاک استعمال کی ہے، جبکہ دیگر احادیث میں مردوں کو سرخ اور پیلے کپڑے پہننے سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ اس بظاہر تضاد کی محدثین وعلماء نے یہ توجیہ بیان کی ہے کہ خالص سرخ یا خالص پیلے کپڑے نہیں پہننے چاہئے، البتہ سرخ یا پیلے رنگ کی دھاریوں والے (یعنی ڈیزائن والے) کپڑے پہنے جاسکتے ہیں۔

پانچواں باب : آپ ﷺ کی قمیص :

☆ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو کپڑوں میں قمیص زیادہ پسند تھی۔ (ترمذی ۶۲/۱، ابوداؤد ۴۰۲۸)

آپ ﷺ کی قمیص کے جو اوصاف احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

.....☆ آپ ﷺ کی قمیص کا رنگ عموماً سفید ہوا کرتا تھا۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، مسند احمد، صحیح ابن حبان وغیرہ)

.....☆ آپ ﷺ کی قمیص تقریباً نصف پنڈلی تک ہوا کرتی تھی۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

.....☆ آپ ﷺ کی قمیص کی آستین عموماً پہونچے تک ہوا کرتی تھی۔ (ابوداؤد ج۲ ص۲۰۳، ترمذی) کبھی کبھی انگلیوں کے سرے تک۔

.....☆ آپ ﷺ کی قمیص اور قمیص کی آستین کشادہ ہوا کرتی تھی۔

چھٹا باب : آپ ﷺ کا عمامہ :

آپ ﷺ کا عمامہ اکثر اوقات سفید ہی ہوا کرتا تھا اور کبھی سیاہ اور کبھی سبز۔ آپ ﷺ کا عمامہ عموماً ۶۔۷ ذراع لمبا ہوا کرتا تھا۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب عمامہ باندھتے تو اسے دونوں کندھوں کے درمیان ڈالتے تھے۔ یعنی عمامہ شریف کا "شملہ" دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا رہتا تھا۔ (مشکوۃ ص۳۷۴)

☆ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی اکرم ﷺ اس حال میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے کہ آپ ﷺ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۔ (مسلم، ترمذی)

☆ حضرت جعفر بن عمرو بن حریث اپنے والدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ دیکھا۔ (ترمذی)

نوٹ: شملہ لٹکانا مستحب ہے اور سنن زوائد میں سے ہے۔ شملہ کی کم از کم مقدار چار انگل ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ ہے۔

ساتواں باب : آپ ﷺ کی ٹوپی :

حضور اکرم ﷺ عموماً سفید ٹوپی اوڑھا کرتے تھے۔ وطن میں آپ ﷺ سر سے چپکی ہوئی ٹوپی اوڑھا کرتے تھے، البتہ آپ ﷺ کے سفر کی ٹوپی اٹھی ہوئی ہوتی تھی۔ علامہ ابن القیمؒ اپنی بلند پایہ کتاب "زاد المعاد فی ہدی خیر العباد" میں تحریر کرتے ہیں کہ آپ ﷺ عمامہ باندھتے تھے اور اس کے نیچے ٹوپی بھی پہنتے تھے، آپ ﷺ عمامہ کے بغیر بھی ٹوپی پہنتے تھے اور آپ ﷺ ٹوپی پہنے بغیر بھی عمامہ باندھتے تھے۔ سعودی عرب کے تمام شیوخ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ ٹوپی نبی اکرم ﷺ کی سنت اور تمام محدثین ومفسرین وفقہاء وعلماء وصالحین کا طریقہ ہے نیز ٹوپی پہننا انسان کی زینت ہے اور قرآن کریم (سورہ الاعراف ۳۱) کی روشنی میں نماز میں زینت مطلوب ہے لہذا ہمیں نماز ٹوپی پہن کر ہی پڑھنی چاہئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے غلام نافع کو ننگے سر نماز پڑھتے دیکھا تو بہت غصہ ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ زیادہ مستحق ہے کہ ہم اس کے سامنے زینت کے ساتھ حاضر ہوں۔ امام ابوحنیفہؒ نے ننگے سر نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ موجودہ زمانہ کے محدث شیخ ناصر الدین البانیؒ نے بھی اپنی کتاب "تمام المنة" کے صفحہ ۱۶۴ پر تحریر کیا ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں میری رائے یہ ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

آٹھواں باب : آپ ﷺ کا جبہ :

☆ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک طیالسی کسروانیہ جبہ مبارک نکالا جس کا گریبان ریشم کا تھا اور اس کے دونوں دامن ریشم سے سلے ہوئے تھے، اور فرمایا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کا جبہ ہے جو ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس تھا جب وہ وفات پا گئیں تو اسے میں نے لے لیا۔ نبی اکرم ﷺ اسے پہنا کرتے تھے۔ اب ہم اسے بیماریوں کے لئے دھوتے ہیں اور اس سے شفا حاصل کرتے ہیں۔ (مشکوۃ ص۳۷۴) ☆ آپ ﷺ نے رومی اور شامی اونی جبوں کا بھی استعمال کیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

نواں باب : آپ ﷺ کا ازار (یعنی تہبند وپائجامہ وغیرہ) :

ازاراس لباس کو کہتے ہیں جو جسم کے نچلے حصہ میں پہنا جاتا ہے۔ عموماً نبی اکرم ﷺ تہبند کا استعمال فرماتے تھے، کبھی کبھی آپ ﷺ نے پائجامہ بھی استعمال کیا ہے۔ آپ ﷺ کا تہبند ناف کے اوپر سے نصف پنڈلی تک رہا کرتا تھا۔ صحابۂ کرام بھی عموماً تہبند استعمال کرتے تھے اور آپ ﷺ کی اجازت سے پائجامہ بھی پہنتے تھے۔

☆ حضرت ابوسعید الخدریؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان کا لباس آدھی پنڈلی تک رہنا چاہئے۔ نصف پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان اجازت ہے۔ لباس کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم کی آگ میں ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص بطور تکبر اپنا کپڑا گھسیٹے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی جانب نظر عنایت نہیں فرمائے گا۔ (بخاری ۲۱۷/۱۰، مسلم ۲۰۸۵)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لباس کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم کی آگ میں ہے۔ (بخاری ۲۱۸/۱۰)

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لٹکانا تہبند، قمیص اور عمامہ میں پایا جاتا ہے، جس نے ان میں سے کسی لباس کو بطور تکبر ٹخنوں سے نیچے لٹکایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی جانب نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ (ابوداؤد ۴۰۹۴، نسائی ۲۰۸/۸)

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو حکم نبی اکرم ﷺ نے پائجامہ کے متعلق فرمایا وہی حکم قمیص کا بھی ہے۔ (ابوداؤد)

= مذکورہ و دیگر احادیث کی روشنی میں علماء کرام نے اس مسئلہ کی مذکورہ شکلیں اس طرح تحریر فرمائی ہیں:

نصف پنڈلی تک لباس	: نبی اکرم ﷺ کی سنت
ٹخنوں تک لباس	: رخصت یعنی اجازت
تکبر کے بغیر ٹخنوں سے نیچے لباس	: مکروہ
تکبرانہ ٹخنوں سے نیچے لباس	: حرام

عورتوں کا لباس ٹخنوں سے نیچا ہونا چاہئے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص بطور تکبر اپنا کپڑا گھسیٹے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی جانب نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ حضرت ام سلمہؓ نے سوال کیا کہ عورتیں اپنے دامن کا کیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ (نصف پنڈلی سے) ایک بالشت نیچے لٹکائیں۔ حضرت ام سلمہؓ نے دوبارہ سوال کیا کہ اگر پھر بھی ان کے قدم کھلے رہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ (نصف پنڈلی سے) ایک ذراع (شرعی پیمانہ جو تقریباً ۳۰ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے) نیچے لٹکالیں، لیکن اس سے زیادہ نہیں۔ (ابوداؤد ۴۱۱۹، ترمذی ۱۷۳۶)

دسواں باب : آپ ﷺ کے لباس میں درمیانہ روی:

رسول اکرم ﷺ نے اعلیٰ و عمدہ و قیمتی لباس بھی پہنے ہیں مگر ان کی عادت نہیں ڈالی۔ ہر قسم کا لباس بے تکلف پہن لیتے تھے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے دنیا میں شہرت کا کپڑا پہنا، بروز قیامت اللہ تعالیٰ اسے ذلت کا کپڑا پہنائے گا۔ (ابوداؤد۔ باب فی لباس الشهرة)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے ایک پیوند لگی ہوئی چادر اور موٹا تہبند نکالا پھر فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کی روح مبارکہ ان دونوں میں قبض کی گئی۔ (بخاری ج ۲ ص ۸۶۵، مسلم)

☆ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھ سے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! اگر تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو تمہیں دنیا سے اتنا کافی ہو جیسے سوار

پیوند لگے کپڑے پہننے میں عار نہ ہو۔

☆ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی نعمتوں کا اثر بندے پر ظاہر ہو۔ (ترمذی ۲۸۲۰) (یعنی اگر مال اللہ تعالیٰ نے دیا ہو تو اچھے کپڑے پہننے چاہئیں۔)

☆ حضرت معاذ بن انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ڈر سے لباس میں فضول خرچی سے اپنے آپ کو بچایا حالانکہ وہ اس پر قادر تھا تو کل قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کے سامنے اس کو بلائے گا اور جنت کے زیورات میں سے جو وہ چاہے گا اس کو پہنایا جائے گا۔ (ترمذی ۲۴۸۳)

☆ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں گندے کپڑے پہنے ہوئے حاضر خدمت ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اس شخص کو کوئی چیز نہیں ملی کہ یہ اپنے کپڑے دھو سکے؟ (نسائی، مسند احمد)

غرضیکہ حسب استطاعت فضول خرچی کے بغیر اچھے وصاف ستھرے لباس پہننے چاہئیں۔

گیارھواں باب : لباس کے متعلق آپ ﷺ کی بعض سنتیں :

دائیں طرف سے کپڑا پہننا سنت ہے:

☆ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ جب قمیص زیب تن فرماتے تو دائیں طرف سے شروع فرماتے۔ (ترمذی ج ا ص ۳۰۲) اس طرح کہ پہلے دایاں ہاتھ دائیں آستین میں ڈالتے پھر بایاں ہاتھ بائیں آستین میں ڈالتے۔

نیا لباس پہننے کی دعا:

☆ حضرت ابو سعید الخدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ جب نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام رکھتے عمامہ یا قمیص یا چادر پھر یہ دعا پڑھتے: اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ کَسَوْتَنِیْہِ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِہٖ وَخَیْرِ مَا صُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ اے میرے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے یہ پہنایا، میں اس کپڑے کی خیر اور جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے اس کی خیر مانگتا ہوں اور اس کی اور جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ (ابوداؤد، ترمذی)

پائجامہ پہننے کا طریقہ:

☆ آپ ﷺ کی تعلیمات میں ہے کہ پائجامہ / شلوار بیٹھ کر پہنیں۔ بعض احادیث ضعیفہ میں کھڑے ہو کر پائجامہ وغیرہ پہننے پر سخت وعید وارد ہوئی ہے مثلاً: جس نے بیٹھ کر عمامہ باندھا یا کھڑے ہو کر سراویل (پائجامہ یا شلوار) پہنی تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی مصیبت میں مبتلا فرمائے گا جس کی کوئی دواء نہیں۔۔ یہ حدیث شیخ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب "کشف الالتباس فی استحباب اللباس" میں ذکر کی ہے۔ ہمارے علماء کرام ہمیشہ احتیاط پر عمل کرتے ہیں، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ ہم اپنا پائجامہ وغیرہ بیٹھ کر پہنیں اگرچہ کھڑے ہو کر پہننا بھی جائز ہے۔

بالوں کی چادر:

☆ حضرت عائشہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ جب ایک مرتبہ صبح کو مکان سے تشریف لے گئے تو آپ ﷺ کے بدن پر سیاہ بالوں کی چادر تھی۔ (شمائل ترمذی)

بارھواں باب : ریشمی لباس کے متعلق آپ ﷺ کے ارشادات :

ریشمی لباس پہننا مردوں کے لئے حرام ہے، البتہ ۲ یا ۳ یا ۴ انگل ریشمی حاشیہ والے کپڑے مردوں کے لئے جائز ہیں۔ نیز خارش اور کھجلی کے علاج کے لئے ریشمی لباس کا استعمال مردوں کے لئے جائز ہے۔

☆ حضرت عمر فاروق ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس مرد نے دنیا میں ریشمی کپڑے پہنے وہ آخرت میں ریشمی کپڑوں سے محروم کر دیا جائے گا۔ (بخاری، مسلم)

☆ حضرت عمر فاروق ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دنیا میں صرف وہی مرد ریشمی کپڑے پہن سکتا ہے جس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ (بخاری، مسلم)

☆ حضرت ابوموسی اشعری ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ریشمی کپڑے اور سونے کے زیورات میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔ (ترمذی ۱۷۲۰)

☆ حضرت عمر فاروق ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ریشم کے پہننے سے منع فرمایا ہے مگر ایک یا دو یا تین یا چار انگلیوں کی مقدار۔ (بخاری اللباس ۵۸۲۹، مسلم اللباس والزینہ ۲۰۶۹)

☆ حضرت انس ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت زبیر ؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کو خارش کے علاج کے لئے ریشم کے کپڑے پہننے کی اجازت عطا فرمائی۔ (بخاری، مسلم)

تیرھواں باب : لباس میں کفار ومشرکین سے مشابہت :

نبی اکرم ﷺ نے عمومی طور پر (یعنی لباس اور غیر لباس میں) کفار ومشرکین سے مشابہت کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان احادیث کی کتابوں میں موجود ہے: جس نے جس قوم سے مشابہت اختیار کی وہ ان میں سے ہو جائے گا۔ (ابوداؤد ۴۰۳۱)

لباس میں مشابہت کرنے سے خاص طور پر منع فرمایا گیا ہے:

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو خالص زرد رنگ کے کپڑوں میں ملبوس دیکھا تو فرمایا کہ یہ کافروں کا لباس ہے اس کو نہ پہنو۔ (مسلم ۲۰۷۷)

☆ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق ؓ نے آذربائیجان کے مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ عیش پرستی اور مشرکوں کے لباس سے بچو۔ (مسلم ۲۶۰۹)

چودھواں باب : مردوں اور عورتوں کے لباس میں مشابہت :

☆ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی لعنت ہو ان مردوں پر جو عورتوں سے (لباس یا کلام وغیرہ میں) مشابہت کرتے ہیں، اسی طرح لعنت ہو ان عورتوں پر جو مردوں کی (لباس یا کلام وغیرہ میں) مشابہت کرتی ہیں۔ (بخاری)

پندرھواں باب : پینٹ وشرٹ اور کرتا وپائجامہ کا موازنہ :

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ لباس میں اصل جواز ہے، انسان اپنے علاقہ کی عادات واطوار کے مطابق چند شرائط کے ساتھ کوئی بھی لباس پہن سکتا ہے، ان شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ کفار ومشرکین کا لباس نہ ہو۔ پینٹ وشرٹ یقیناً مسلمانوں کی ایجاد نہیں ہے لیکن اب یہ لباس عام ہو گیا ہے چنانچہ مسلم اور غیر مسلم سب اس کو استعمال کرتے ہیں۔ لہذا پینٹ وشرٹ مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ استعمال کرنا بلا کراہیت جائز ہے، البتہ پینٹ وشرٹ کے مقابلے میں کرتا وپائجامہ کو چند اسباب کی وجہ سے فوقیت حاصل ہے۔

۱) کرتا وپائجامہ عموماً سفید یا سفید جیسے رنگوں پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ پینٹ وشرٹ عموماً رنگین ہوتی ہیں۔ احادیث صحیحہ کی روشنی میں امت مسلمہ متفق ہے کہ اللہ جل شانہ کے حبیب نبی اکرم ﷺ سفید پوشاک زیادہ پسند فرماتے تھے، نیز عام طور پر آپ ﷺ کا لباس سفید ہی ہوا کرتا تھا۔

۲) قیامت تک آنے والے انسانوں کے نبی حضور اکرم ﷺ کو قمیص بہت پسند تھی۔ نبی اکرم ﷺ کی قمیص کے جو اوصاف احادیث میں ملتے ہیں وہ شرٹ کے

۳) اگر چہ اس وقت پینٹ وشرٹ کا لباس مسلم وغیر مسلم سب میں رائج ہو چکا ہے لیکن ساری دنیا تسلیم کرتی ہے کہ پینٹ وشرٹ کی ابتداء مسلم کلچر کی دین نہیں جبکہ کرتہ وپائجامہ کی بنیادیں نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے ہیں، کرتا یعنی نبی اکرم ﷺ کے قمیص کا ذکر کر چکا ہوں، جہاں تک پائجامہ کا تعلق ہے تو نبی اکرم ﷺ ہمیشہ تہبند کا استعمال فرماتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ پائجامہ استعمال کیا یا نہیں اس کے متعلق بعض محققین نے اختلاف کیا ہے لیکن تمام محققین ومحدثین وفقہاء وعلماء متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے پائجامہ خریدا تھا اور صحابۂ کرام آپ ﷺ کی اجازت سے پائجامہ پہنتے تھے۔

۴) کسی بھی زمانہ میں دنیا کے کسی بھی کونے میں علماء وفقہاء کی جماعت نے پینٹ وشرٹ کو اپنا لباس نہیں بنایا۔

﴿وضاحت﴾:

☆ موجودہ زمانہ کے پائجامہ اور صحابۂ کرام کے زمانے کے پائجامہ میں فرق ممکن ہے مگر دونوں کی بنیاد واساس ایک ہونے کی وجہ سے انشاء اللہ فضیلت حاصل ہوگی جیسا کہ صحابۂ کرام اور موجودہ زمانہ کی مساجد میں ضرور فرق ملے گا مگر بنیاد ومقاصد ایک ہونے کی وجہ سے موجودہ زمانہ کی مساجد کو وہ فضیلت ضرور حاصل ہوگی جس کا تذکرہ نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے ہوا ہے۔

☆ کسی معین شخص کے تنگ پائجامہ کا کسی معین شخص کی کشادہ پینٹ سے موازنہ کر کے فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ عموماً پینٹ پائجامہ کے مقابلہ میں تنگ ہوتی ہے اور جسم کی ساخت کے حساب سے بنائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی اکرم ﷺ کی پاک سنتوں کے مطابق لباس پہننے والا بنائے۔

محمد نجیب سنبھلی قاسمی، ریاض mnajeebqasmi@yahoo.com

۳ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ بروز جمعرات (26-01-2012)

اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم

الحمد لله الذی خَلَقَ کُلَّ شیءٍ فأحسنَ خلقه وترتیبَه ، وأدَّب نَبیّنَا محمداً صلی الله علیه وسلم فَأحسَنَ تَأدِیبَه، وصلی الله تعالی علی نبیّنَامحمد وآله وصحبه اجمعین اما بعد !

عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه قال : قال رسول الله ﷺ : اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الأخلاقِ

(مسند أحمد،الادب المفرد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں خاص اس کام کیلئے بھیجا گیا ہوں کہ (اپنی تعلیم اور عمل سے) بہترین اخلاق کی تکمیل کردوں۔''

آپ ﷺ بچپن ہی سے سلیم العقل، ذہین، پاکدامن اور بھرپور قوت کے مالک تھے جوں جوں عمر بڑھتی گئی آپ کی خوبیاں اور نکھرتی گئیں۔ آپ صحیح نظر وفکر بہترین اخلاق اور عمدہ عادات کا سب سے بلند نمونہ تھے بچپن ہی سے آپ کو بہت سارے القاب ملے جن میں امین وصادق کا لقب غالب رہا، آپ ﷺ سچائی اور امانت، مردانگی اور شجاعت، عدل اور حکمت، زہد اور قناعت، بردباری اور عفت، حیا اور وفا، خیر خواہی اور تواضع میں سب سے ممتاز تھے بھلائی اور احسان میں آپ ﷺ کا کوئی ثانی نہ تھا، آپ ﷺ ہر قسم کے لوگوں کی مدد کیلئے تیار رہتے تھے امیر ہو یا غریب، بچہ ہو یا بوڑھا، تندرست ہو یا مریض غرض ان صفات میں کوئی آپ ﷺ کا ثانی نہ تھا حضرت ابو طالب (جو آپ ﷺ کے سگے چچا ہیں) نے کیا ہی خوب کہا۔

وأبیضُ یُستَسقَی الغَمَامُ بِوَجهِهِ : ثِمَالُ الیَتَامیٰ عِصمَةٌ لِلأرامِلِ

(آپ گورے اور خوبرو ہیں آپ کے چہرے سے بارش طلب کی جاتی ہے : یتیموں کے ماوی اور بیواؤں کے محافظ ہیں۔)

انسانی زندگی میں اخلاق اور اعمال کی بنیادی حیثیت ہے اور ایک انسان کو دوسرے انسان پر فوقیت وبرتری اخلاق واعمال کے سبب حاصل ہوتی ہے۔ اگر انسان اخلاق جیسی نعمت عظمیٰ سے عاری ہے تو جانور سے بدتر ہے کیوں کہ اگر پھول سے طبیعت کو فرحت محسوس ہوتی ہے تو اخلاق سے قلب وروح معطر ہوتی ہے، ہمارے اعمال ہمارے اچھے اخلاق کے ترجمان ہوتے ہیں اچھے اعمال اخلاقی پاکیزگی کے بغیر ظہور میں نہیں آسکتے۔

اس حدیث میں حضور پاک ﷺ نے اپنے بعثت کا اولین مقصد اور اپنی دعوت کا طریقہ کار واضح فرمایا آدمی کا اچھا یا برا ہونا اس کے اعمال سے پتہ چلتا ہے، اگر اس کے اعمال اچھے ہیں تو یوں سمجھا جاتا ہے کہ با اخلاق اور نیک آدمی ہے، اور اگر اس کے اعمال برے ہیں تو سمجھا جاتا ہے کہ بد اخلاق وبرا آدمی ہے گویا انسان کے اچھے اور برے ہونے کا دارومدار اخلاق کے اچھے اور برے ہونے پر ہے۔

وہ تمام فرائض جو مسلمانوں پر عائد کئے گئے ہیں ان میں اس بات کی مشق وتربیت ہے کہ انسان اچھے اخلاق والی زندگی گذارنے والا بن جائے اور آخری دم تک باقی رہے تاکہ اس کا خاتمہ بالخیر ہوجائے۔

تبلیغ اسلام کے ابتدائی دور میں باطل طاقتیں اپنے سارے ساز وسامان کے ساتھ تبلیغ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بن رہی تھیں کفار ہر چیز کا انکار کرتے تھے حتی کہ اللہ کی وحدانیت، حشر ونشر کا انکار کرتے تھے لیکن حضور ﷺ اپنی حتی الوسع کوشش وجدوجہد میں مصروف تھے۔ ایک دن تبلیغ اسلام ہی کے غرض سے صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر [illegible] صبح'' (یہ کلمات سن کر اعلان تھا کہ دشمن نے حملہ کردیا کوئی بڑا حادثہ پیش آگیا) کی آواز

لگائی، جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے قبیلوں کے نام لے لے کر فرمایا: اے بنی عدی، اے بنی عبد مناف، اے بنی عبد المطلب، اے بنی قصی اور عبد شمس اگر میں یہ کہوں کے اس پہاڑی کے پیچھے وادی میں شہسواروں کی ایک جماعت ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتی ہے تو کیا تم مجھے سچ مانو گے؟۔ لوگوں نے کہا: ہاں۔ کیونکہ ہم نے کبھی بھی آپ کو جھوٹا نہیں پایا ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا جانا و پایا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا تو میں ایک سخت عذاب سے تمہیں ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی آدمی نے دشمن کو دیکھا اور جھٹ پٹ اپنے گھر والوں کی حفاظت کا بندوبست کرنے کیلئے دوڑا لیکن خطرہ محسوس کیا کہ دشمن اس سے پہلے ہی آ کر دبوچ لے گا لہذا زور زور سے چلا چلا کر **یَا صَبَاحَاہ** (ہائے صبح) کہنے لگا۔۔۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا سچے دل سے اقرار کریں اور بتایا کہ یہی کلمہ دنیا کی کامیابی اور آخرت کی نجات کا ذریعہ ہے، اور خوف دلایا کہ اگر شرک پر جمے رہے تو عنقریب اللہ کا عذاب ان پر نازل ہو جائے گا اور رسول اللہ ﷺ انہیں عذاب سے نہیں بچا سکیں گے آپ ﷺ نے اپنا یہ ڈر عام لوگوں کے ساتھ ساتھ خاص لوگوں کو بھی نام لے لے سنایا۔ اس کے بعد آپ کی تحریک دھیرے دھیرے کامیاب ہونے لگی اور لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے اور دوسرے لوگوں میں دوری و نفرت پیدا ہوتی گئی۔

اہل قریش کے مشورے اور دلچسپ واقعہ:

☆ اہل قریش اس پوری صورت حال کو تشویش کی نظر سے دیکھ رہے تھے کہ حج کا وقت قریب ہونے لگا اور حاجیوں کے بارے میں فکر دامن گیر ہوئی تو اہل قریش کی ایک جماعت **ولید بن مغیرہ** کے پاس آئی یہ عمر دراز اور مرتبہ والے تھے سب نے مل کر کہا کہ ایک بات طے کر لی جائے (جیسا کہ ہر زمانے میں باطل کا طرہ امتیاز رہا ہے) اور مختلف قسم کی باتیں بنانا چھوڑ دیں ورنہ ہم ایک دوسرے کو جھوٹا ثابت کر دیں گے۔

لوگوں نے کہا: آپ طے کر دیں لیکن **ولید بن مغیرہ** نے کہا: تم لوگ کہو میں سنوں گا: **لوگوں** نے کہا: اچھا تو ہم لوگ کہیں گے کہ وہ کاہن ہے: **اس نے کہا**: وہ کاہن نہیں ہے ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے اس میں نہ انکی سی گنگناہٹ ہے نہ ان جیسا کام۔ **لوگوں** نے کہا: تب ہم کہیں گے کہ وہ پاگل ہے۔ **اس نے کہا**: وہ پاگل بھی نہیں ہے ہم پاگل پن کو بھی جانتے ہیں اس میں نہ پاگلوں سی گھٹن ہے نہ الٹی سیدھی حرکتیں، نہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ **لوگوں** نے کہا: تب وہ شاعر ہے۔ **اس نے کہا**: وہ شاعر بھی نہیں ہے ہمیں شعر و شاعری کی تمام قسمیں معلوم ہیں۔ **لوگوں** نے کہا: تب وہ جادوگر ہے۔ **اس نے کہا**: وہ جادوگر بھی نہیں ہے ہم نے جادو اور جادوگر سب دیکھے ہیں اس میں نہ ان کی سی جھاڑ پھونک ہے اور نہ گرہ بندی۔ **لوگوں** نے کہا: تب ہم کیا کہیں! **اس نے کہا**: واللہ اس کی بات میں مٹھاس اور رونق و تازگی ہے اس کی جڑ پائیدار اور شاخ پھلدار ہے تم جو بھی کہو گے اس کا باطل ہونا واضح ہو جائے گا، ویسے زیادہ مناسب یہی ہے کہ کہو: وہ جادوگر ہے اور اسکی بات جادو ہے، وہ اس کے ذریعہ باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں، میاں بیوی میں، آدمی اور اس کے خاندان میں تفرقہ ڈال دیتا ہے یہ بات طے کر کے لوگ اٹھے اور جب حج کا وقت آیا تو حاجیوں کی راہ میں بیٹھ کر یہ کہنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ دیکھنے اور سننے سے پہلے ہی آپ کا معاملہ جان گئے۔

☆ لیکن آپ ﷺ نے حاجیوں کے ڈیروں اور مجمعوں میں جا کر اسلام کی طرف بلانا شروع کیا اور ادھر ابولہب کا حال یہ تھا کہ حتی الامکان تکلیف پہونچانے میں پیش پیش رہتا تھا آپ جہاں جاتے وہاں جاتا جھٹلاتا اور تکلیف پہونچاتا تھا۔

اخلاق کا انکار نہ کر سکے:

☆ اس کے بعد آپ کا چرچہ پورے عرب میں پھیل گیا، انہوں نے سب چیز کی تکفیر کر دی لیکن ایک ایسی چیز تھی جس کی انکار کی جرأت بھی نہیں کر سکتے تھے جس کو اللہ تعالی نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا: (**وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیمٍ**) : اس آیت کریمہ میں سارے مخلوق کے خالق و مالک نے اس الزام کی تردید فرمائی کہ آپ اخلاق کے بلند مقام پر فائز ہیں۔

فتح مکہ کے وقت آپ کی طرف سے عام معافی:

☆ جب مکہ فتح ہوا تو آپ تواضع اور انکساری کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے حالانکہ ایسے موقع پر فتح کرنے والی قوم جب اپنے دشمن پر غالب ہوتی ہے تو بیک وقت وہ جذبات و کیفیات پیدا ہوتی ہے کہ اس کا سر غرور و تکبر سے اٹھا ہوا ہوتا ہے اور اپنے دشمن کا خاتمہ کرنے پر آمادہ ہوتا ہے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں پر مکمل دسترس حاصل ہونے کے باوجود رحم دلی، عفو و درگذری اور خدا ترسی کی ایسی تاریخ رقم کر دی جس کی مثال پوری تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے چند سال پہلے آپ کو مکہ سے نکالا تھا، ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کے ساتھ انتہا درجہ کی بد تمیزی کی تھی اور آپ کا دل دکھایا تھا، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کے راستے میں غلاظتیں پھینکی تھیں اور کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جنھوں نے پتھر برسا کر آپ کی ایڑیوں کو لہولہان کیا تھا، وہ بھی تھے جو مدینہ پہونچ کر بھی ظلم وستم کے پہاڑ برسانے سے باز نہیں آرہے تھے، وہ بھی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو تپتی ریت پر لٹا کر سینے پر پتھر رکھ کر گھسیٹا تھا اور وہ بھی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو شعب ابی طالب میں قید کر کے درختوں کی چھال کھانے پر مجبور کیا تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں کو بھلا کر جو خطبہ دیا وہ رہتی دنیا تک انسانوں کے لئے نمونہ ہے۔

☆ آپ ﷺ نے جو خطبہ دیا اس میں یہ فرمایا، **لا اله الا الله وحده صدق وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده،** (ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنے وعدے کو سچ کر دکھایا، اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور دشمن کی جماعتوں کو اس نے تنہا شکست دی) اور آگے چل کر اسی خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ **ثم قال يا معشر قريش ما ترون اني فاعل بكم قالو خيراً، اخ كريم وابن اخ كريم ، قال فاني اقول لكم كما قال يوسف لاخوته لا تثر يب عليكم اليوم اذهبوا فأنتم الطلقاء (زاد المعاد ابن القيمؒ)** اے گروہ قریش میری نسبت تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟ انھوں نے کہا: بھلائی، آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا: میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا، آج تمہارے اوپر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو)۔

طائف میں ظلم کے جواب میں دعا اور امید:

☆ آپ ﷺ اپنے غلام زید بن حارثہؓ کے ساتھ اسلام کی دعوت دینے کیلئے طائف پہونچے قبیلہ ثقیف کے تین سرداروں کا (جو آپس میں بھائی تھے) قصد کیا، انھیں اسلام کی دعوت دی اور تبلیغ اسلام کے لئے مدد چاہی مگر انھوں نے اسے منظور نہ کیا بلکہ بہت برا جواب دیا اور کسی نے آپ کی بات نہ مانی بلکہ یہ کہا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ نیز اپنے بچوں، اوباشوں اور غلاموں کو ان کے پیچھے لگا دیا۔ چنانچہ جب آپ نے واپسی کا قصد فرمایا تو انہوں نے لائن لگا کر گالیاں دیں بدزبانیاں کیں۔ پھر پتھر برسانے لگے جس سے آپ کی ایڑیاں اور پاؤں زخمی ہو گئے جوتے خون سے تر ہو گئے۔ زید بن حارثہؓ جو آپ ﷺ کو بچا رہے تھے ان کے سر پر بھی کئی زخم آئے بالآخر آپ نے تین میل کے فاصلے پر ربیعہ اور شیبہ ابنائے ربیعہ کے ایک باغ میں پناہ لی۔ باغ کے اندر دیوار سے ٹیک لگا کر انگور کی ایک بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ چنانچہ آپ نے ایک دردانگیز دعا فرمائی ''جو دعائے مستضعفین کے نام سے مشہور ہے۔

اس کے بعد باغ سے نکلے اور مکہ کیلئے روانہ ہوئے ''قرن المنازل'' تک پہونچے تو ایک بادل نے سایہ کیا جس میں جناب جبرئیل علیہ السلام تھے اور انکے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ، آپ نے سر اٹھایا تو جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو پکارا اور فرمایا اللہ نے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے۔ آپ اسے جو حکم چاہیں کریں پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے سلام کیا اور کہا: ''اے محمد ﷺ بات یہی ہے، آپ اگر چاہیں تو انہیں دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں۔''

فقال صلى الله عليه وسلم :بل ارجو الله ان يخرج من أصلابهم من يعبد عز وجل وحده لا يشرك به شيئاً. ''بلکہ امید ہے کہ اللہ عزوجل ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گی۔

☆ اس جواب میں حضور ﷺ کا اپنی قوم کو معاف کرنا اور ان سے امیدیں باندھنا کہ ہوسکتا ہے ان کی نسلیں ایک اللہ پر ایمان لانے والی پیدا ہوں اور ان

کیلئے دعائیں کیں۔ یہ سب صرف اس لئے کہ آپ رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اور اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہیں۔ ارشاد باری ہے (وَمَا اَرسَلنَاکَ اِلَّا رَحمَۃً لِلعَالَمِینَ)۔

یہی فراخ دلی اور وسعت ظرفی اور اخلاق کا وہ اعلیٰ نمونہ تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ منظر نظر آیا کہ فتح مکہ سے پہلے جو لوگ اسلام کے سخت ترین دشمن تھے فتح مکہ کے بعد اسلام کے زبردست حامی اور پاسبان بن گئے۔

آپ ﷺ کے اخلاق حمیدہ کے متعلق احادیث نبوی ﷺ:

☆قالت عائشة لما سئلت رضی الله عنها عن خلق النبی علیه الصلاة والسلام ، قالت: (کان خلقه القرآن) صحیح مسلم.

☆حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ کے اخلاق کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: ''حضور ﷺ کا اخلاق قرآن تھا''۔ (صحیح مسلم)

☆عن أنس رضی الله تعالی عنه قال : خدمت النبی ﷺ عشر سنین، والله ما قال أف قط ولا قال لشیء لِم فعلت کذا وهلا فعلت کذا: ''(ابوداؤد وترمذی)

☆حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے دس سال تک حضور ﷺ کی خدمت کی آپ نے کبھی ''اُف'' کا کلمہ بھی نہیں فرمایا، اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا، اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کیا؟۔ (ابوداؤد وترمذی)

☆عن عائشة رضی الله عنها قالت: ما ضرب رسول الله صلی الله علیه وسلم خادما له ولا مرأة ولا ضرب بیده شیئاً قط الا أن یجاهد فی سبیل الله.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو کبھی کسی خادم کو مارا، نہ کسی عورت کو اور نہ کسی چیز کو مگر یہ کہ اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔

☆ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ نہ تو بداخلاق تھے اور نہ بداخلاق بننے کی کوشش فرماتے تھے، آپ ﷺ بازاروں میں چیخنے چلانے والے نہ تھے آپ نے کبھی بھی برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیا بلکہ آپ زیادتی کرنے والے کو معاف فرمادیتے اور اس کی غلطیوں سے درگذر فرماتے تھے۔ (ترمذی)

☆عن عقبة بن عامر الجهنی ' قال: لقیت رسول الله صلی الله علیه وسلم ''یا عقبة 'صل من قطعک واعط من حرمک ' واعف عمن ظلمک : ایک دوسری حدیث میں الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ ہے (صل من قطعک واعف عمن ظلمک واحسن الی من اساء الیک) (الترغیب والترهیب)

☆حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جو قطع رحمی کرے اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو، جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کردو، جو تمہیں تکلیف پہونچائے اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرو۔

☆تم میں سب سے زیادہ مجھے وہ لوگ محبوب ہیں جو تم میں اخلاق کے لحاظ سے سب سے اچھے ہوں۔ (بخاری)

☆قیامت کے دن مومن کی میزان اعمال میں جو سب سے زیادہ وزنی چیز رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے۔ (ابوداؤد وترمذی)

ان احادیث کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ انسان اخلاق کے سوا کچھ نہیں ہے، اس لئے اگر تاریخ عالم میں تمام انسانوں کیلئے کسی کے اخلاق کو قابل نمونہ کہہ سکتے ہیں تو وہ صرف اور صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق حسنہ ہے۔

☆رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود یہ دعا کثرت سے کیا کرتے تھے اور دوسروں کو تلقین بھی کیا کرتے تھے۔

☆اللھمَ أحسَنتَ خَلقِی فَأحسِن خُلقِی وَاھدِنِی لِاَحسَنِ الاَخلَاقِ لَایَھدِی لِأحسَنِھَا اِلَّااَنتَ وَاصرِف عَنِّی سَیِّئَھَا ولَا یَصرِفُ عَنِّی سَیِّئَھَا اِلَّا اَنتَ.

☆اے اللہ تو نے میری ظاہری بناوٹ اچھی بنائی ہے۔اسی طرح میرے اخلاق بھی اچھے کردے،تو مجھ کو بہترین اخلاق کی رہبری فرما، تیرے سوا کوئی بہتر اخلاق کی رہنمائی نہیں کرسکتا۔اور برے اخلاق کو مجھ سے ہٹادے،ان کو تیرے سوا کوئی نہیں ہٹا سکتا۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہم لوگوں کا دین پر چلنا آسان فرمائے اور اخلاق حسنہ کی کامل اتباع نصیب فرمائے۔ آمین۔

اشرف علی القاسمی (ریاض،سعودی عرب)

ashrafaliqasmi46@yahoo.com

+966551412911

یوم الاربعاء 25/01/2012

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ کی خصوصیات عظمی

یہ یادرہے کہ سیرت مصطفیٰ کے پڑھنے پڑھانے ، سننے سنانے سے روح کو بالیدگی محسوس ہوتی ہے، عقل کو جلا ملتی ہے، قلب کو طمانیت حاصل ہوتی ہے جن کی معرفت ہر مسلمان خصوصاً علماء شریعت وداعیان دین کے لئے نہایت ضروری اورامر لابدی ہے۔

سیرت مصطفیٰ ومجتبیٰ ﷺ کی مندرجہ ذیل خصائص ہیں۔

پہلی خصوصیت :

یہ ہے کہ سیرت رسول ﷺ ہم تک ایسے صحیح ترین علمی طریقوں اوراسانید صحاح وروات ثقات سے پہونچی ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کیوں کہ اس رب کائنات نے اس امت میں ایسے متبحرین، ماہرین علماء فن ورجال ونقاد وجراح پیدا کئے جنہوں نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کرکے امت کے سامنے پیش کئے، جن کی بحث وریسرچ پر جمہورامت متفق ہے۔ یہ خصوصیت اورصفت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء ورسل علیہم الصلوۃ والتسلیم کے ساتھ مختص نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت صحیح ڈھنگ سے آج موجود نہیں ہے کیوں کے علماء یہود بے بہبود نے اس میں تحریف وترمیم کردی اورموسیٰ علیہ السلام کی صحیح سیرت پتہ کا لگانے کیلئے موجودہ تورات کا سہارا بھی نہیں لیا جاسکتا، کیوں کہ بہت سے مغربی نقادوں نے اس کے بعض اسفار میں شکوک وشبہات ظاہر کئے ہیں اور بعض نقادوں کا قطعی طور سے کہنا ہے کہ بعض اسفار موسی علیہ السلام کی زندگی میں نہیں لکھے گئے نہ آپ کے بعد قریبی زمانے میں انہیں ترتیب دیا گیا بلکہ عرصہ دراز کے بعد انہیں لکھا گیا اور مصنف صاحب بھی مجہول ہیں۔ یہی حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت کا ہے، مسیحی کلیسا کے نزدیک سرکاری طور پر جس مجموعہ کو انجیل کہا گیا ہے اور تسلیم کیا گیا ہے وہ عیسیٰ مسیح کے صدیوں بعد آخری دور میں ترتیب دیا گیا بغیر کسی علمی معیار اور اسانید صحیحہ کے، مزید برآں ان انجیلوں کا ان کے مصنفین سے تعلق کسی اطمینان بخش علمی طریقوں سے ثابت نہیں ہے ان کی روایت کسی ایسی سند سے ثابت نہیں ہے جو ان مصنفین تک پہونچتی ہو۔ اسی طرح ان مصنفوں کے بارے میں مغربی نقادوں میں خاصا اختلاف ہے کہ وہ کون لوگ تھے اور کس زمانے کے تھے؟۔

دوسری خصوصیت:

یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کی زندگی اپنے جملہ مراحل میں اظہر من الشمس ہے، والد عبداللہ کی والدہ آمنہ سے شادی سے لے کر آپ کے وفات پرملال تک پوری حیات مبارکہ نمایاں ہے۔ ہم آپ کی ولادت باسعادت، طفولیت، شباب، نبوت سے پیشتر کے روزگار وکمائی مکہ مکرمہ سے باہر اس مقصد کے لئے آپ کا سفر کرنا، پھر نبوت سے سرفراز کیا جانا وغیرہ وغیرہ سارے حالات اچھی طرح جانتے ہیں۔

اس طرح آپ کی نجی زندگی، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، لباس، شکل وصورت، گفتار وکردار، گفت وشنید خاندانی لوگوں سے معاملہ اور برتاؤ عبادت وریاضت، صحبت ومعاشرت غرضیکہ پوری زندگی ہمارے سامنے ہے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے راویوں کی دقت نظر اور محنت اتنی آگے بڑھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرمبارک اور داڑھی کے بال تک گن ڈالے ہیں۔

اس کے برخلاف حضرت موسیٰ وعیسیٰ وغیرہ انبیاء علیہم السلام کی ولادت، طفولیت، شباب نبوت کے بارے میں مستند مفصل روایات نہیں ملتی ہیں۔

تیسری خصوصیت:

یہ ہے کہ رسول عربی ﷺ کی زندگی ہر اس انسان کے لئے مکمل انسانی نمونہ ہے اور اسوہ ہے جو خود شرافت کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے اور اپنے خاندان اور ماحول میں پاکیزہ رہنا چاہتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الآخر.**

چوتھی خصوصیت:

یہ ہے کہ رسول کی سیرت انسانی زندگی کے جملہ گوشوں ودائروں پر محیط ہے یہ ہمارے سامنے اس نوجوان کی زندگی لاتی ہے جو رسالت سے پہلے الصادق الامین کی حیثیت سے پکارے جاتے تھے، اسی طرح ہمارے سامنے ایک ایسے صدر مملکت کی تصویر آتی ہے جو اپنی مملکت کے لئے بہترین اور صحیح ترین انتظام کرتا ہے اپنی بیداری، ہوشمندی، اخلاص وصداقت کے ذریعہ اس کی حفاظت کرتا ہے جس طرح ہمارے سامنے ایک ایسے نبی کی زندگی ہے جو شوہر تھے، باپ تھے، مرشد تھے، مربی تھے، ایک جنگجو بہادر تھے، ایک فتح یاب لیڈر تھے، ایک کامیاب سیاسی لیڈر تھے، ایک فاتح وکامران سیاسی قائد تھے، ایک امانت دار تاجر اور سچا معاہدہ کرنے والے تھے۔ غرضیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تمام انسانی گوشوں کو محیط ہے۔ ہر داعی، ہر لیڈر، ہر باپ، شوہر، مربی، سیاست داں، صدر مملکت کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

اس طرح کی جامعیت اور ہمہ گیریت دیگر رسولوں کے اندر نہیں ملتی ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ایک قومی لیڈر کی زندگی تھی جنہوں نے اپنی قوم کو غلامی سے نجات دلائی اور ان کے لئے چند ایسے قواعد واصول وضع کئے جو صرف اسی قوم کی اصلاح کر سکتے تھے لیکن ان کی سیرت میں میدان کارزار کے بہادروں، مربیوں، سیاست دانوں، صدور مملکت یا بیوی یا شوہروں کے لئے کوئی نمونہ نہیں ملتا ہے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ ایک عابد، زاہد، داعی کی نمائندگی کرتے تھے جنہوں نے دنیا سے کوئی سروکار نہیں رکھا ان کی سیرت میں مذکورہ بالا اشیاء کی کوئی رہنمائی نہیں ملتی ہے۔

پانچویں خصوصیت:

یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ آپ ﷺ کے نبی برحق ہونے کے لئے دلائل ساطعہ ہیں یعنی تنہا رسول ﷺ کی سیرت طیبہ ایسی دلائل فراہم کرتی ہیں جس سے آپ ﷺ کی رسالت ونبوت کی صداقت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا، یہ ایک انسان کامل کی سیرت ہے جو اپنی دعوت کو لیکر مرحلہ وار آگے بڑھے معجزات وخوارق کے بل پر نہیں بلکہ طبیعی اور حتمی طریقے سے سارے مراحل طے کئے۔

برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام وحضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت کے، انہوں نے اپنی دعوت کو معجزات وخوارق عادات اشیاء کا اظہار کرکے بام عروج کو پہونچایا۔ لیکن ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت ومشن کو صرف سیرت (جو کہ اخلاق حسنہ ہے) کے ذریعہ پایۂ تکمیل کو پہونچایا۔

صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ و من تبعھم الی یوم الدین۔

ازقلم: عاشق الٰہی قاسمی (ریاض،سعودی عرب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نبی رحمت کی اپنی امت سے محبت اور امت کے لئے درود کی اھمیت

گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ نے ابھی ایک حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ اس دنیا میں سب سے محبوب نام جو ریکارڈ کیا گیا ہے وہ نبی رحمت کا نام نامی اسم گرامی ’’محمد صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ ہے، دنیا میں ۷۰ ملین سے زیادہ لوگوں کا نام محمد ریکارڈ کیا گیا جو اس نام کی محبوبیت اور مقبولیت کا ثبوت ہے لیکن اس سے قبل دنیا کے مسلم اور غیر مسلم سارے مقتدر مؤرخین و مصنفین ادباء و سیرت نگاروں نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ دنیا میں نوع انسانی کی تاریخ میں اگر کسی کی سیرت کا ایک ایک پہلو ریکارڈ کیا گیا تو وہ محبوب الٰہی کی سیرت ہے۔ بلکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس دنیا میں اگر کسی کی سیرت دنیا کے مختلف خطوں اور زبان میں سب سے زیادہ لکھی گئی ہے تو وہ بھی محسن انسانیت کی ذات اقدس ہے۔

محترم حضرات:

اس مختصر تمہید کے بعد میں آپ کی توجہ اس حقیقت کے طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ جس طرح قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ وہ ہر زمانہ کے لئے رہنما، انسانی مسائل کا واحد حل ہے، نوع بشری کی کامیابی کی واحد حقیقی ضمانت ہے، ٹھیک اسی طرح آپ ﷺ کی سیرت طیبہ بھی ایک معجزہ ہے کہ انسانی زندگی اپنے ہر رنگ و روپ علم و حکمت، سیاست و حکومت، صنعت و تجارت، جنگ و صلح، امن و آشتی ہر حالت میں اپنے لئے واحد قابل تقلید اور کامیاب نمونہ سیرت طیبہ میں ہی پاسکتی ہے، اخلاق انسانی کا اعلیٰ معیار ہو یا خانگی نظام اور رشتوں کے عزیز بندھن، عام انسانوں کا درد ہو یا حیوانات کے ساتھ برتاؤ، نباتات کا خیال ہو یا فطری ذخائر (Natural Resources) کا بہتر استعمال اسراف و اڈّخار کی لعنت سے نجات ہو یا مادہ پرستی و کرپشن کے خلاف مہم، دنیا کی خوشحالی اور انسانیت کے سارے مسائل کا حل صرف اور صرف ذات اقدس کی سیرت میں ہی پایا جاسکتا ہے۔

اس لئے اے دنیا کے دانشمندوں تم اپنے سارے چیمبرس جلا ڈالو، اپنے قانون ساز اداروں سے ابلیس کے کارندوں کو نکال باہر کرو، گمراہی و ضلالت کے سارے صحیفے پھاڑ ڈالو، بھیڑیوں کے ہاتھوں سے زمام اقتدار چھین لو، نام نہاد گمراہ اقتصادی ماہرین و مؤرخین، مصنفین و ادباء اور معلمین کے ہاتھوں میں سیرت نبوی کی روشنی دو اور پھر اس ظلمت کدہ عالم کا حسن و جمال اور ترقی و کمال دیکھو۔

سیرت نبوی کے بحر ذخار سے اس وقت صرف سیرت کے ایک پہلو ’’نبی رحمت کی اپنی امت سے محبت‘‘ پر انتہائی اختصار کے ساتھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی اور اس کا تتمہ ’’امت کے لئے درود کی اہمیت‘‘ کے ساتھ ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی وسعت پر نظر ڈالئے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسے کوئی عنوان دینا جن و انس کے لئے ناممکن تھا، سیرت کے پہلو بے شمار اور ہر پہلو اپنے اندر ایسی عظمت، گہرائی و گیرائی رکھتا ہے کہ اس سب کا احاطہ کسی ایک عنوان میں ناممکن ہے، یہ بس رب علیم و قدیر کی ذات ہے جو اس پر قادر ہے چنانچہ اس نے اپنی کتاب میں ایک جملہ میں حیات مصطفوی کو سمیٹ دیا ’’**وما ارسلناک الا رحمة للعالمین**‘‘۔

جن و انس سر دھنتے رہ جائیں، اس ایک لفظ **رحمة** میں کتنی وسعت ہے کہ جن و انس بلکہ پوری کائنات اس میں ڈوب جاتی ہے یہ آیت بظاہر سادہ سی معلوم ہوتی ہے لیکن اس ایک آیت میں عرف الٰہی کی حقیقت، مخلوق عالم کی فلاح و سعادت اور آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد کو سمیٹ دیا گیا ہے۔

اس کا ایک پہلو ہے آپ ﷺ کی اپنی امت سے محبت:۔ اپنی امت سے آپ ﷺ کی محبت کا اندازہ کون کرسکتا ہے جب خود باری تعالیٰ آپ کو بار بار متنبہ فرماتا ہے: کیا آپ خود کو ان کے پیچھے ہلاک کرلیں گے ’’**فلعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفاً**‘‘۔ کبھی تسلی و اطمینان تو کبھی متنبہ کرنے کا انداز ہوتا ہے کہ آپ انہیں ہدایت نہیں دے سکتے ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے آپ خود کو اتنا پریشان نہ کریں ’’**انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء**‘‘۔ یہ تو آپ کی تڑپ عام انسانوں کیلئے تھی، لیکن امت کیلئے تو آپ رب کے سامنے سر ٹیک دیتے کبھی گریہ وزاری کرتے، کبھی رب کے سامنے ٹوٹ کر بکھر جاتے۔ یہاں تک کہ رب نے امت کے لئے آپ کو مایوس نہ کرنے کا وعدہ فرمالیا، آپ کو

شفاعت کی کنجی دیدی۔

ابوداؤدشریف کی ایک مشہور روایت ہے، حضرت سعد بن وقاصؓ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے نکلے مدینہ کا سفر تھا جب ہم عزورا کے قریب پہونچے تو آپ ﷺ سواری سے اترے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کچھ دیر تک اللہ سے دعا کرتے رہے پھر آپ ﷺ سجدے میں گر گئے اور کافی دیر تک سجدہ ریز رہے پھر کھڑے ہوئے اور اپنے ہاتھ اٹھا کر کچھ دیر تک دعا فرمائی اور پھر سجدے میں گر گئے اس طرح آپ ﷺ نے تین مرتبہ کیا اور فرمایا: میں نے اپنے رب سے سوال کیا اور اپنی امت کے لئے شفاعت کی تو اللہ نے مجھے میری امت کا تہائی حصہ عطا فرمایا، میں اپنے رب کے سامنے سجدہ شکر بجالایا پھر سر اٹھایا اور اپنے رب سے اپنی امت کے لئے سوال کیا تو میرے رب نے میری امت کا ایک تہائی اور عطا کیا، پھر میں شکر کے طور پر اپنے رب کیلئے سر بسجود ہو گیا اور پھر سر اٹھایا اور مانگا تو مجھے آخری تہائی بھی رب نے عطا کر دیا، پس میں تیسری بار سجدہ ریز ہو گیا۔

امت کی مغفرت اور اسے جنت میں لے جانے کی فکر سفر میں ہوں یا حضر میں ہر وقت آپ ﷺ کو تڑپاتی رہتی محبت کی یہ مثال اور کہاں مل سکتی ہے، نہ باپ کی شفقت میں اور ماں کی ممتا میں، کتنے ہی باپ ہیں جو اپنے بچوں کی دنیاوی اور وقتی کامیابی کے لئے اس کی حقیقی کامیابی کی فکر کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں، کتنی مائیں ہیں جنہیں اپنے بچوں کو آگ سے بچانے کی فکر دامن گیر رہتی ہے؟ وہ کون سا قائد و لیڈر ہے جسے اپنی رعایا کی فکر ستاتی ہو؟۔

مسلم کی ایک مشہور روایت ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ روایت کرتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار قرآن کی وہ آیت تلاوت کی جس میں ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول ہے ''رب انهن اضللن كثيراً من الناس الخ '' اے رب ان بتوں نے بہت سارے لوگوں کو گمراہ کیا ہے پس جو میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو ہی بخشنے والا مہربان ہے (سورۂ ابراہیم ۳۶) اور سورۂ مائدہ کی آیت پڑھی: جس میں حضرت عیسی علیہ السلام کا قول ہے ''ان تعذبهم فانهم عبادک و ان تغفرلهم فانک انت العزيز الحكيم اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر معاف فرمادے تو بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔ (سورۂ مائدہ ۱۱۸) پھر آپ ﷺ دونوں ہاتھ اٹھا کر گریہ وزاری کرنے لگے، اے اللہ میری امت، اے اللہ میری امت، اے اللہ میری امت اتنا روئے کے اللہ کو رحم آیا اور جبرئیل امین علیہ السلام کو حکم دیا کے محمد ﷺ کے پاس جائیں اور پوچھیں کہ انہیں کون سا غم رلا رہا ہے (جب کہ اللہ ان کے حال سے بخوبی واقف تھا) جبرئیل امین علیہ السلام آئے اور اس تڑپ کی وجہ پوچھی، پھر حضرت جبرئیل امین علیہ السلام واپس جا کر اللہ کو بتایا (جب کہ اللہ تعالی کو سب علم تھا) تب اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا اے جبرئیل محمد ﷺ کے پاس جا اور کہہ کہ '' ہم تمہیں تمہاری امت کے بارے میں خوش کر دیں گے، تمہیں مایوس نہیں کریں گے'' کیا رہتی دنیا تک کے آنے والے مسلمانوں کے لئے اس سے بڑی محبت کی کوئی سوغات ہو سکتی ہے؟؟

مسلم و ترمذی کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر نبی سے ایک دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا، تمام انبیاء اپنی اپنی دعائیں مانگ چکے ہیں، صرف میں نے بچا رکھی ہے، میں اسے اپنی امت کی شفاعت کیلئے استعمال کروں گا۔

یوں تو آپ ﷺ کی پوری زندگی فلاح انسانیت اور غم امت سے تعبیر ہے لیکن میدان حشر اور روز حساب میں آپ کی جانفشانی نا قابل بیان ہوگی جب حضرت انسؓ آپ ﷺ سے روز حساب سفارش کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ضرور کروں گا پھر انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کو کہاں تلاش کروں گا آپ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے پل صراط پر وہاں نہ ملوں تو میزان کے پاس ورنہ حوض کوثر پر مجھے ان جگہوں سے ہلنے کی فرصت نہ ملے گی۔

روز قیامت ان تینوں جگہوں کی نزاکت اور ان جگہوں پر امت کی مدد کیلئے سرکار کی تڑپ کا اندازہ کرنے کے لئے صرف پل صراط کے بارے میں مسلم کی اس روایت کو دیکھیں، جس میں بیان ہے کہ پل صراط پر گھٹا ٹوپ اندھیرا ہوگا، دہشت سے لوگ ہلکان ہوں گے، گاجر مولیوں کی طرح کٹ کر پھنس کر جہنم میں گر

گریہ وزاری کررہے ہوں گے یہی وجہ ہے کہ رب العالمین اپنی محبت کواس محبوب کی محبت اوراتباع سے جوڑ دیا''**قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ**''

نبی رحمت کے احسانات کو ہرلمحہ ذہن میں جاگزیں رکھنے کے لئے اللہ نے ہمیں خبردی اور ساتھ ہی حکم بھی''**ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً**۔

خوداللہ جل جلالہ اوراس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں تواے ایمان والوں نبی پرصلوۃ وسلام بھیجو،،اللہ کے صلوۃ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنے رسول کی ثنا ،اس کی عظمت اور مدح سرائی ملاءاعلی میں فرماتے ہیں،اورفرشتے آپ کی رفعت وعظمت شان کی دعا اوراللہ سے آپ ﷺ کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں تواے مسلمانوں تم پربھی واجب ہے کہ جوتمہارے غم میں مرتا رہااورکل بھی سرگرداں ہوگا اسکے احسان کواپنے ذہن میں جاگزیں کرتے ہوئے اس پرصبح وشام درود بھیجو۔

حقیقی محروم تو وہ ہے جواپنے حضورصلی اللہ علیہ وسلم پرایک درود کے بدلہ اللہ کی جانب سے دس صلاۃ سے محروم رہے۔جوکثرت درود سے روز قیامت اپنے حبیب کی قربت سے محروم رہے،جواپنے محبوب رب العالمین سے روزمرہ کی زندگی درود کے ذریعہ ملاقات کے شرف سے محروم رہے۔

ازقلم: محمداحسن ندوی (ریاض،سعودی عرب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبى بعده۔ اما بعد :

ایک نرم خو انسان

اسلام کے علاوہ دنیا کا کوئی بھی مذہب ایسا نہیں جس نے اپنے پیشوا کی تفصیلی زندگی کا من وعن پورا ریکارڈ رکھا ہو، موجودہ دنیا کے دو بڑے مذاہب کے پیشوا حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی زندگی کا بھی مکمل ریکارڈ نہیں ملتا، ان کے کھانے پینے' اٹھنے بیٹھنے' چلنے پھرنے کا طریقہ' انداز تکلم' پسند ناپسند' جسم کی ساخت' خدوخال اور ذاتی فرمودات کا وہ ذخیرہ دکھائی نہیں دیتا جو حضرت محمد ﷺ کی ذاتی زندگی کے بارے میں ملتا ہے۔ یہود تو آنکھوں دیکھی اللہ کی نشانیوں کے باوجود تورات پر توجہ نہیں دیتے تھے چہ جائیکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ہر چھوٹے بڑے افعال واقوال کو قلم بند کرنے کی کوشش کرتے، نصرانی بھی اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی سے دلچسپی رکھتے تو کم سے کم یہ بات ان سے مخفی نہیں رہتی کہ حضرت مریم علیہا السلام کنواری تھیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام انھیں کے بطن سے بنا باپ کے بحکم الٰہی پیدا ہوئے تھے۔

لیکن امت محمدیہ پر اللہ جل جلالہ کا بڑا احسان ہوا کہ اس امت کو اپنے نبی کا ہر عمل ہر قول محفوظ رکھنے کی توفیق ملی اور کیوں نہ ملتی جبکہ آپکی بولی اللہ کی بولی تھی اور اللہ نے (وانا له لحافظون) کے ذریعہ اپنی بولی کی حفاظت کا خود ذمہ لے لیا ہے۔ واقعی یہ ایک گنج گرانمایہ اور عظیم نعمت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کو الفاظ کے پیکر میں ڈھال دیا گیا تا کہ آنیوالی امت جو آپ کے دیدار سے محروم رہی وہ ان ذخیروں کی روشنی میں آپ ﷺ کو چلتا پھرتا دیکھ سکے۔

ارباب سیر نے آپ کے چلنے پھرنے' اٹھنے بیٹھنے' سونے جاگنے' کھانے پینے' ملنے جلنے، دیکھنے سننے، ہنسنے مسکرانے، بات چیت حتیٰ کہ طہارت حاصل کرنے کو اس واضح انداز میں سپرد قرطاس کر دیا کہ آپ کی ذات کی تصویر کشی میں شاید کسی کو مشقت ہو' گویا کہ قیامت تک آنیوالی امت کو ایک بنی بنائی فلم دے دی ہے۔

آپ کی زندگی پر بہت کچھ لکھا گیا، لکھا جا رہا ہے اور لکھا جائے گا، لیکن اس پرفتن دور میں جبکہ اخلاقی دیوالیہ پن جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہا ہے' آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ دنیا ایسے لوگوں سے خالی نہیں جو عقلمند کہلاتے ہیں، جو امن کی بھوکے ہیں، جو صراط مستقیم کی تلاش میں ہیں، جو مادی زندگی سے اوب چکے ہیں اور مادیت کی کشمکش سے بیزار ہو کر سکون دل کی جستجو میں ہیں، جنھیں ظلم نے تھکا دیا ہے اور انصاف کی سایہ تلے جینا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے پیغمبر اسلام کے نقوش قدم اور اخلاقی تعلیمات ایک اکسیر سے کم ثابت نہیں ہوگی۔

آپ ﷺ کی پوری زندگی عمدہ اخلاق سے عبارت ہے، قرآن شاہد ہے کہ آپ اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہیں اور کیوں نہ ہوں جبکہ آپ کا ایک ایک قدم قرآن کے مطابق تھا' ایک شخص کے استفسار پر حضرت عائشہ نے کہا کہ آپ کا اخلاق قران تھا (صحیح مسلم)۔ یوں تو آپ صفات حسنہ کا مجسمہ تھے لیکن جو صفت زندگی کے ہر گوشہ کو محیط تھی وہ طبیعت کی نرمی' بردباری اور قوت برداشت تھی۔ آپ کو ہر قسم کی تکالیف دی گئیں' اپنے اور پرائے سب نے ستایا' راستہ میں کانٹے بچھائے گئے' سجدے میں آپ کے اوپر اوجھڑی ڈالی گئی' آپ کو جھوٹا کہا گیا' قیصریت اور کشور کشائی کا الزام عاید کیا گیا' گلی کوچوں میں مذاق اڑایا گیا یہاں تک کہ وطن مالوف چھوڑنا پڑا لیکن آپ نے سب برداشت کیا اور کبھی اپنے لئے بدلہ نہیں لیا۔ حدیث میں آتا ہیکہ آپ دنیا کے لئے اور اپنے لئے کبھی ناراض ہوتے نہ ہی کسی سے بدلہ لیتے' ہاں اگر شریعت کی بے حرمتی کی جاتی تو حرمت کی بازیابی کے لئے کمر کس لیتے۔ اپنوں کے ساتھ آپ کا معاملہ کیسا تھا وہ قرآن کے جامع الفاظ میں سنئے' سورۃ توبہ کی آیت ۱۲۸ گواہی دیتی ہے (دیکھو تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے' تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے' تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے' ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے)۔

آپ کی اسی نرمی اور شفقت کی وجہ سے صحابہ کرام آپ سے دل لگی کرلیا کرتے تھے حالانکہ اللہ تعالی نے آپ کے اندر رعب و دبدبہ ودیعت کر رکھا تھا' ازواج مطہرات بھی آپ سے بے خوف رہتی تھیں' بخاری میں روایت ہیکہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف فرما تھے' ازواج مطہرات بھی آپ کے پاس تھیں' کسی بات پر زور زور سے ہنس رہی تھیں' یکا یک حضرت عمر تشریف فرما ہوئے' ازواج مطہرات فورا خاموش ہوگئیں (اور ایسا ماحول ہوا جیسے یہاں پر کوئی ہے ہی نہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دم بدلی ہوئی حالت دیکھی تو مسکرادئے' حضرت عمر رضی تعالی عنہ نے وجہ دریافت کی تو فرمایا ''عمر یہ تم سے بہت ڈرتی ہیں' تمہاری آمد سے قبل خوب ہنس کھیل رہی تھیں' اب دیکھو ان کے منہ میں گویا کہ زبان ہی نہیں' حضرت عمر نے فرمایا ''بیوقوف مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ سے نہیں جن سے میں تو کیا سارے مسلمان ڈرتے ہیں۔

حضرت صفیہؓ کو کھانا پکانے کا خاص سلیقہ تھا' خود حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے ان سے بہتر کھانا پکانے والا کسی کو نہیں دیکھا' ایک دن دونوں نے آپ کے لئے کھانا پکایا' حضرت صفیہؓ کا کھانا جلد تیار ہوگیا' آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ کے حجرے میں تھے' انھوں نے وہیں ایک لونڈی کے ہاتھ کھانا بھجوادیا' حضرت عائشہ اپنی محبت کی بربادی کو دیکھ کر جھنجھلا اٹھیں اور ایک ہاتھ ایسا مارا کہ لونڈی کے ہاتھ سے پیالہ چھوٹ کر گر پڑا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا' آپ ﷺ خاموشی کے ساتھ پیالہ کے ٹکڑوں کو چننے لگے اور خادمہ سے فرمایا کہ ''تمہاری ماں کو غصہ آگیا'' چند لمحوں کے بعد حضرت عائشہ کو خود ندامت ہوئی' عرض کی ''یارسول اللہ اس جرم کا کیا کفارہ ہوسکتا ہے'' آپ نے فرمایا,,ایسا ہی پیالہ اور ایسا ہی کھانا'' چنانچہ نیا پیالہ ان کو واپس کیا گیا (سیرت عائشہ از علامہ سید سلیمان ندوی)

صحیح مسلم کی کتاب الفضائل میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال تک آپ ﷺ کی خدمت کی مگر آپ نے کبھی اف تک نہیں کہا' کبھی کسی چیز کے بارے میں یہ نہیں پوچھا کہ تم نے یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا۔ حضرت نعمان رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں کوئی بھی نئی چیز برائے فروخت آتی تو میں آپ کے نام پر خرید لیتا اور آپ ﷺ کو بطور ہدیہ پیش کردیتا جب مالک پیسہ طلب کرتا تو میں اسے آپ کی پاس لے آتا' آپ کہتے کہ تم نے تو مجھے ہدیہ دیا تھا میں کہتا یارسول اللہ میرے پاس ادائیگی کیلئے کچھ بھی نہیں' آپ مسکرادیتے اور پیسہ ادا کرتے۔

آپ ﷺ کو اپنی بیویوں میں سب سے زیادہ قلبی تعلق حضرت عائشہ سے تھا' غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر جو واقعہ افک ہوا اور حضرت عائشہ پر جھوٹی تہمت لگائی گئی' حضرت عائشہ سخت بیمار ہوگئیں تھیں' آپ ﷺ کو بھی اس تہمت سے بڑی تکلیف ہوئی' سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کریں' حقیقت حال پوشیدہ تھی' وحی کا انتظار تھا کہ وحی آئے تو صحیح صورت حال کا پتا ہو' کئی روز گذر گئے تب جا کر وحی نازل ہوئی' منافقین کو خوب تشہیر کرنے کا موقع ملا' حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ نے مجھ سے گفتگو کرنا بند کردیا مگر جب کبھی گھر کے اندر تشریف لاتے تو سلام کرتے اور پوچھتے کی طبیعت کیسی ہے۔

مسلم کی روایت میں حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کہیں جارہا تھا' ایک اعرابی آپ کے پاس آیا اور آپ کی چادر جو کہ نجران کی تیارشدہ موٹے کناروں والی تھی' اس زور سے کھینچا کہ گردن پر اس کے نشان پڑ گئے' اور بڑے سخت لہجہ میں بولا ''اے محمد! یہ خدا کا مال جو تیرے پاس ہے نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا' اس میں سے اونٹ بار مجھے بھی دلاؤ'' آپ نے اسکی طرف دیکھ کر مسکرادیا' کچھ لمحہ خاموش رہے پھر فرمایا ''بیشک یہ مال خدا کا ہے اور میں اس کا بندہ ہوں' پھر حکم فرمایا کہ اس کو ایک اونٹ کھجور کا اور ایک جو کا دے دیا جائے۔

یہ تو بہرحال اپنے تھے لیکن آپ نے اپنے دشمنوں کو بھی گلے لگایا اور عفو و درگذر کا ایسا معاملہ فرمایا کہ دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مدینہ کا مشہور منافق اور گھریلو دشمن عبداللہ بن ابی بن سلول نے آپ کے خلاف کیا کچھ سازشیں نہیں کی' شروع دن سے ہی آپ کے خلاف نفرت و عداوت لئے ہوئے تھا' دلی بغض جب حد سے بڑھتا تو معاندانہ اور ظالمانہ اعمال کا صدور ہوتا' یہی وجہ تھی کہ آپ کو شکست دینے کے ارادے سے احد میں اپنی فوج کی ٹکڑی ایک بہانے سے واپس لے گیا' واقعہ افک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا' انصار و مہاجرین کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی' آپ ﷺ اور مومنین کے

اپنا لباس مرحمت فرمایا اور باوجود حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی مخالفت کے قریب تھا کہ نماز جنازۃ بھی پڑھا دیتے اگر قرآنی ممانعت نازل نہ ہوتی۔ کیا آپ نے ابوسفیان سے بدلہ لیا جس نے آپ کی راہ میں حتی المقدور روڑے اٹکائے' کیا آپ نے اسکی بیوی ہندہ کو سزا دی جس نے آپ کے عم محترم کا سینہ چاک کر کے کلیجہ چبایا اور کیا وحشی کو ایسے ہی برچھا مارا جیسے اس نے حضرت حمزۃ کو مارا تھا' کیا آپ نے عروۃ بن مسعود سے بدلہ لیا جو صلح حدیبیۃ کے موقع پر دوران گفتگو آپ کی بار بار داڑھی پکڑ رہا تھا؟ سراقہ بن جعشم کے ساتھ آپ کا معاملہ کیسا رہا جو سو اونٹ کی لالچ میں آپ کے پیچھے پڑا تھا اور آپ کو دشمنوں کے حوالہ کرنا چاہتا تھا؟ کیا آپ نے اسے معاف کرنے کے علاوہ ایک بڑی خوشخبری نہیں دی تھے؟ کیا آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ حجبی کو کوئی تکلیف دی جب انھوں نے فتح مکہ کے دن کعبہ کا دروازہ بند کر لیا' چابی دینے سے انکار کیا اور خانہ خدا کی چھت پر چڑھ گئے' حضور فاتحانہ داخل ہوئے تھے' کسی کی مجال نہ تھی کی فاتح کی کسی بات کا انکار کر دے' وہ دن تو مکمل بدلہ کا دن تھا' ایک ایک دشمن خدا کو چن چن کر مارا جا سکتا تھا' بعضے صحابہ خوش بھی تھے کہ آج جی بھر کر بدلہ لیں گے مگر آپ نے فرمان صادر فرمایا کہ آج یوم الملحمۃ نہیں یوم المرحمۃ ہے' جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ محفوظ ہو گیا' ابوسفیان کے گھر میں چھپنے والوں کو معافی دے دی گئی' اور قیامت تک کے لئے عثمان بن طلحہ حجبی کے ہاتھ میں کعبہ کی کنجی تھما دی گئی' بڑے بڑے کفار و مشرکین کو کہہ دیا گیا'' اذھبوا فأنتم الطلقاء (جاؤ تم سے کوئی بدلہ اور مؤاخذہ نہیں)۔ فاتحانہ قوم کے اخلاقی نرمی اور سخاوت کی یہ مثال کسی بھی جنگی تاریخ میں مل سکتی ہے؟۔

حضرت خالد بن ولید جنکی ایک چنگی چال کی وجہ سے احد کی لڑائی میں مسلمانوں کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا' آپ ﷺ کو بھی کافی تکلیف ہوئی' رخ انور لالہ زار ہوا' دندان مبارک شہید ہوئے' نچلا ہونٹ زخمی ہوا' آپ ایک گڈھے میں بھی گرے' مگر آپ ﷺ کی شان کریمی دیکھئے کہ جب آپ ۷ھ میں عمرۃ القضا کے لئے مکہ پہونچے تو خالد بن ولید غصہ سے شہر سے باہر چلے گئے تھے' مکہ میں آپ ﷺ کی موجودگی ان گوارا نہ تھی' دوران قیام مکہ آپ ﷺ نے ان کے بھائی ولید بن ولید سے ملاقات کی اور فرمایا'' افسوس ہیکہ خالد میرے پاس نہیں آیا' اگر وہ آتا تو میں اس کا خیر مقدم کرتا' خالد جیسے دانشمند کو اسلام سے دور نہیں ہونا چاہئے'' حضور ﷺ عمرہ سے فارغ ہو کر جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت ولید بن ولید نے اپنے بھائی کو ایک خط لکھا اور آپ ﷺ کے ان کے بارے میں جذبات بھی سپرد قلم کیا۔ حضرت خالد بن ولید کہتے ہیں کہ جب بھائی کا خط ملا' مضمون پڑھا' آپ ﷺ کے اپنے تئیں جذبات کو جانا تو مجھے انتہائی خوشی ہوئی اور میں نے فورا دربار نبوت میں حاضری کا ارادہ کیا' آپ ﷺ نے ہمیں دیکھا تو چہرہ مبارک خوشی سے کھل اٹھا اور میں اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ کر مشرف باسلام ہوا۔

یہ تو آپ کی نرمی اور بردباری کی عملی مثال ہے جو عاشقان اسلام اور متبعین رسول کے لئے فی نفسہ مشعل راہ ہے' پھر بھی آپ نے فرمودات کے ذریعہ بار بار اس کی تاکید فرمائی' بیویوں' اپنے اور اجنبی پڑوسیوں' رفیق سفر' والدین' والد کے رشتہ دار' ان کے اور اپنے دوست و احباب' بچوں کی تعلیم و تربیت' ماتحتوں کے ساتھ معاشرت' غرضیکہ غیر مسلموں کے ساتھ لطف و عاطفت کی تاکید فرمائی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا,, ان الرفق لایکون فی شئی الا زانہ و لاینزع من شئ الا شانہ (نرمی جس چیز میں ہو اسے خوبصورت بنا دیتی ہے' اور جس چیز میں مفقود ہو اسے بدصورت کر دیتی ہے۔ نرمی ہر خیر کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے' اسی لئے اللہ تعالی کو نرمی بہت پسند ہے' بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہیکہ ان اللہ یحب الرفق فی الأمر کلہ (اللہ کو ہر کام میں نرمی پسند ہے) ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نرم ہے نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر وہ کچھ عطا کرتا ہے جو سختی وغیرہ پر نہیں دیتا۔ قرآن کہتا ہے'' خذ العفو وأمر بالعرف وأعرض عن الجاھلین کہ اے نبی' نرمی و درگذر کا طریقہ اختیار کرو' معروف کی تلقین کئے جاؤ اور جاہلوں سے نا الجھو' (الأعراف ۱۹۹)۔

اگر ہم صرف قرآنی آیت کا ایک ٹکڑا (ادفع بالتی ھی أحسن) پر عمل پیرا ہو جائیں تو طبیعت کی درشتی کے باوجود نرمی اور حسن اخلاق کے تمام پہلوؤں پر عمل کرنے والے بن جائیں گے۔ اللھم علمنا ما ینفعنا وانفعنا بما علمنا وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ

محمد ارشد القاسمی

(سلمان بن عبدالعزیز یونیورسٹی، الخرج)

marshadqasmi@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن.

الفضل ما شهدت به الاعداء

(حقیقی کمال وہ ہے جس کی دشمن گواہی دے)

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبى بعده۔

محترم قارئین کرام: جس طرح عدل کے مقابلہ میں ظلم، علم کے مقابلہ میں جہل، نور کے مقابلہ میں تاریکی، امانت کے مقابلہ میں خیانت، سایہ کے مقابلہ میں دھوپ کی تپش ابتدا ہی سے رہی ہے، ٹھیک اسی طرح ایمان کے مقابلہ میں کفر اور اہل ایمان کے مقابلہ میں اہل کفر ہمیشہ برسر پیکار رہے ہیں۔ لیکن سب کو معلوم ہے کہ دونوں چیزیں برابر نہیں ہوسکتیں۔ **وما یستوی الاعمیٰ والبصیر ولا الظلمٰت ولا النور ولا الظل ولا الحرور وما یستوی الأحیاء ولا الاموات :۔**

ترجمہ: نابینا اور بینا برابر نہیں ہوسکتے نہ ہی تاریکیاں اور روشنی برابر ہوسکتے ہیں، نہ سایہ اور گرمی برابر ہوسکتے ہیں اور نہ ہی زندہ اور مردے برابر ہوسکتے ہیں۔

اور جس طرح پہلے بھی کفر ایمان کے اور شرک توحید کے مدمقابل رہے ہیں ٹھیک اسی طرح آج بھی باطل حق کے مقابلہ میں نبرد آزما ہے۔ پہلے تو میدان جنگ میں شمشیر زنی ہوتی تھی، تیر وتفنگ، اور نیزہ وشمشیر سے میدان کارزار گرم ہوتا تھا لیکن اب بدلتے وقت کے ساتھ دشمنان اسلام کے حربوں اور جنگی چالوں میں بھی تبدیلی آئی ہے۔

آج خبر رسانی اور میڈیا کا زمانہ ہے دشمنان اسلام اور خاص طور سے یورپ اور مغرب کے یہود ونصاریٰ نے پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی کو اپنا محبوب مشغلہ بنالیا ہے، آئے دن عظماء اسلام، اسلامی شعائر، اسلامی تاریخی، اسلامی تعلیمات، قرآن مجید اور حدیہ ہے کہ نبی رحمت پیغمبر عالم ﷺ کے خلاف بھی زبان طعن دراز کر رکھی ہے، اور افتراء پردازی کا طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ کتے کے بھونکنے سے بادل کو کوئی ضرر نہیں پہونچتا۔

یریدون لیطفئوا نور الله بأفواههم والله متم نوره ولو کره الکافرون۔

شعر: نور خدا ہے حرکت اعداء پہ خندہ زن　　پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ادھر گذشتہ چند سالوں سے میڈیا کے ذریعہ اس ذلیل حرکت کا اعادہ کیا جاتا رہا، کارٹونوں، کتابوں اور پمفلٹوں کے ذریعہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخی کر کے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے اور ان کی دل آزاری کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔ قرآن مجید نے اہل کتاب اور کفار ومشرکین کی جس ذلیل حرکت کی خبر دے کر ہماری رہنمائی کی تھی بار بار اس کا ظہور ہوتا رہا ہے ارشاد باری ہے۔

" لتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم و من الذین أشرکوا اذیً کثیراً وان تصبروا وتتقوا فإن ذلک من عزم الأمور۔

ترجمہ : تمھیں تمہارے مالوں اور جانوں میں ضرور آزمائش میں ڈالا جائے گا اور اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے تمہیں یقیناً بہت بہت دل آزاری کی باتیں سننے کو ملیں گی، اور اگر اس سخت آزمائش کے موقع پر تم نے صبر کیا اور اپنے رب سے ڈرتے رہے (اور کوئی ظالمانہ اقدام نہ کیا) تو یقیناً بڑے حوصلہ اور ہمت کا کام ہے۔

ایسے تباہ کن اور حوصلہ شکن حالات میں ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود ایک ایک سنت پر عمل پیرا ہو کر اپنے اخلاق، کردار، عبادات ومعاملات کے ذریعہ

سیرت نبوی ﷺ کا عملی نمونہ پیش کرے۔اور تقریر وتحریر کے ذریعہ اپنے حلقہ اثر میں سیرت مبارکہ کو بیان کرے اور ہر دل میں حب نبوی ﷺ کو جاگزیں کرنے کی انتھک کوشش کرے، مثلاً والدین اپنے بچوں میں، استاذ اپنے شاگردوں میں، آفس میں کام کرنے والے اپنے دوستوں اور ساتھیوں میں اور کمپنی کا منیجر اپنے ماتحتوں میں سیرت طیبہ کے ایک ایک پہلو کو بیان کرے۔علماء کرام اپنی تقریر وتحریر میں محسن انسانیت کی تاریخ کو بیان فرمائیں۔

ایک صحافی اور جرنلسٹ کی ذمہ داری ہے کہ وہ انتہائی حساس اور بیدار رہے اور جہاں کہیں بھی اسلام اور پیغمبر اسلام کی شان میں کوئی نازیبا حرکت کا علم ہو پوری قوت سے اس کی مدافعت کرے۔

تاجر پیشہ اور مالدار طبقہ کتب سیرت کی نشر واشاعت، سیرت کے عنوان سے مذاکروں اور ورکشاپ کا انعقاد کر کے بہت حد تک اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوسکتا ہے۔

یاد رکھیں اگر ہم نے اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کیں تو بہت ممکن ہے کہ ہم جب اپنی قبروں میں ہوں اور گردش ایام اور مرور زمانہ نے ہماری ہڈیاں بوسیدہ کر دی ہوں اس وقت تک بھی یہ عار ہمارے ساتھ لگی رہے کہ ہم نے ذات گرامی قدر ﷺ پر گستاخیاں ہوتے ہوئے دیکھا اور مجرمانہ خاموشی اختیار کی۔اور آنے والی نسل ہماری اس بے حسی پر طعنے دے کہ تمہارے زمانے میں نبی رحمت سید الانبیاء کی شان میں بے ادبیاں ہوئیں اور تم خاموش بت بنے رہے تم سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ ہمارے چہروں سے خجالت کی سرخی اور ندامت کی سیاہی دھو دیتے۔

حضور پاک ﷺ کی سب سے اہم صفت جو آپ ﷺ کی ذات میں سب سے نمایاں ہے اور جس کا ظہور حالت جنگ وامن، خوف واطمنان ہر موقع پر انسانیت کے ہر طبقہ کے ساتھ بارہا ہوتا رہا ایک بد باطن نے اسی صفت رحمت پر حملہ کر کے ایک گھناؤنے اور ایک نا قابل معافی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔جانی دشمن ہوں یا جانثار صحابہؓ، مرد ہوں یا خواتین، آزاد ہوں یا غلام، میدان جنگ ہو یا مدینہ طیبہ کا پرسکون ماحول، فتح مکہ کا موقع ہو یا احد کی زخم خوردگی والی حالت ،عبادات ہوں یا معاملات نکاح وشادی کا موقع ہو یا غم واندوہ کا منظر، انسانوں کا معاملہ یا حیوانوں کا قدم قدم پر ہر ایک کے ساتھ صرف اور صرف آپ ﷺ کی صفت رحمت کا ظہور ہوا ہے اور آپ نے ہر موقع پر راحت اور نرمی ہی کا برتاؤ فرمایا۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ایسی خاص صفت ہے جس کی وجہ سے جانی دشمن بھی متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے آپ کے اخلاق کریمانہ کا وہ خاص ہتھیار جس کے ذریعہ آج تک کے مسلم اور غیر مسلم سب کے قلوب کو آنحضرت نے فتح کیا وہ آپ ﷺ کی صفت رحمت ہی ہے ابتداء اسلام بلکہ ظہور اسلام کے قبل سے لے کر آج تک ہر زمانہ کے انصاف پسند ہی نہیں بلکہ انتہائی شدت پسند اور جانی دشمنوں کی شہادتیں حضور ﷺ کے پاکیزہ کردار کی تائید میں موجود ہیں۔نجاشی کے دربار میں کفار مکہ کی شہادتیں بتلاتی ہیں کہ انھوں نے بھرے دربار میں آپ کے صدق، دیانت، امانت، صلہ رحمی، مصیبت زدہ کی نصرت وامداد کی گواہی دی۔انھیں خون کے پیاسے کفار مکہ میں آپ ﷺ ہمیشہ صادق وامین کے لقب سے معروف رہے۔

قبل اسلام کے عیسائی کتب میں بھی آپ ﷺ کا تذکرہ وقیع الفاظ میں موجود ہے انجیل سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔۔۔

عنقریب مسیّا (محمد ﷺ) ارض جنوب میں ظاہر ہوں گے۔

۔۔اور پوری دنیا رحمت الٰہی سے ہمکنار ہوگی۔ابراھیم فیلوپوس جنہوں نے بعد میں اپنا اسلامی نام ابراہیم خلیل احمد رکھا ان کی تحقیق یہ ہے کہ انجیل یونانی لفظ ہے جس کے معنی بشارت یا بشریٰ کے ہیں۔اور عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت سے مستفاد ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے آنے والی رحمت خاصہ کی خوشخبری دینے والے تھے۔اور اس مسیّا یعنی محمد ﷺ کے آنے کی بشارت دینا انکی زندگی کا اہم مقصد تھا۔

حضور ﷺ کے سفر شام میں بحیرا راہب نے حضرت ابوطالب کو جن الفاظ میں بشارت دی تھی تاریخ نے اسے آج تک محفوظ رکھا ہے۔بحیرا نے ابوطالب سے کہا تھا : هـذا سيدالعالمين ، هذا رسول رب العالمين، هذا يبعثه الله رحمة للعالمين۔یہ دنیا کے سردار ہیں یہ رب العالمین کے رسول ہیں،

حیثیت سے کافی معروف تھے۔ظہور اسلام کے بعد سے ہمارے زمانہ تک آپ کے پاکیزہ اخلاق انسانیت نوازی، رحمت للعالمین اور رسالت کی گواہی دینے والے غیر مسلموں کی تعداد ہر زمانہ میں ہزاروں رہی ہے، چونکہ حقیقی کمال وہی شمار ہوتا ہے جس کی گواہی دشمن بھی دے'' **الفضل ما شهدت به الاعداء**'' خوبی اور فضیلت تو وہ ہے دشمن جس کا شاہد ہو۔غیر مسلموں کے لئے اور نئی نسل کے لئے شاید کچھ زیادہ اطمنان کا باعث ہو اس لئے چند غیر مسلم انصاف پسند مغربی مفکرین کی تحریریں ملاحظہ ہوں۔

مشہور انگریزی مصنف ڈاکٹر تھامس کارلائل ۱۹۷۵ء۱۸۸۱ء اپنی کتاب (The Heros ص ۵۱۔۵۲) میں حضورﷺ کی ذات گرامی کے متعلق اپنے دلی جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے۔وہ (محمدﷺ) ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے جو اپنے پہلو میں ایک ایسا قلب سلیم رکھتے تھے جو رحم دل، ایثار و ہمدردی، شفقت و رحمت اور اعلیٰ درجہ کی حکمت و دانائی سے لبریز تھا، نہ اس میں دنیوی افکار و خیالات موجزن تھے اور نہ ہی جاہ و سلطنت کا شائبہ، یہ کمال صرف ایک مخلص اور خدا ترس ذات کیلئے ہی ممکن ہے، ورنہ تو ہمارے گرد و پیش جھوٹی شان و شوکت اور مصنوعی القاب و خطاب کے دلداہ حکمرانوں کا ایک جم غفیر ہے۔ محمدﷺ نے ایسی کسی چیز کو اپنے لئے ہمیشہ ناپسند کیا ہے۔محمدﷺ اپنی عظیم شخصیت میں بہر صورت ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔

برطانوی مفکر "لین پال" نے اپنے تأثرات کو ان الفاظ میں قلمبند کیا ہے۔ بلاشبہ محمدﷺ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔مہربانی بہادری، رحمت ہمدردی عمدہ اور پاکیزہ اخلاق کہ عام آدمی بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور کیوں نہ ہو جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے ہی خاندان اور قبیلہ کا ظلم وستم سالہا سال انتہائی صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کیا اور طاقت و قوت حاصل ہو جانے پر بھی یک قلم سب کو معاف فرما دیا۔آپ کی شرافت کا یہ حال تھا کہ مصافحہ کرنے والے سے اپنا ہاتھ خود الگ نہیں کرتے تھے جب تک کہ وہ علیحدہ نہ کرلے، بچوں بڑوں یا کسی طرح کی جماعت پر گذر ہوتا تو سلام میں پہل کرتے تھے، بغیر سلام کئے آگے نہ بڑھتے تھے آپ کے لب شیریں پر ترنم ریز مسکراہٹ رقصاں رہتی جو ملنے والوں کو سحر زدہ کرتی اور ان کے قلوب کو کھینچ لیتی تھی۔

رسرچ اسکالر ولیم موير نے اپنی کتاب (Life of Mohammad) میں یہ گراں قدر الفاظ تحریر کئے ہیں محمدﷺ اپنی عظیم اور گوناگوں صفات کے لحاظ سے قابل ذکر اور لائق احترام ہیں۔آپ کی رحمدلی اور ہمدردی، عفو و درگذر تو عام تھا ہی باہمی احترام کا معاملہ اپنے ادنیٰ درجے کے صحابہؓ کے ساتھ بھی کرتے تھے۔درگذر، تواضع و انکساری، رافت و رحمت تو آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی کسی کے سوال کو رد نہ فرماتے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر کوئی ناگوار بات پیش آجاتی تو اس کے اثرات چہرہ مبارکہ پر ظاہر ہو جاتے لیکن زبان مبارک سے کچھ نہ فرماتے، صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما ہوتے تو اپنے پیران کی طرف نہ پھیلاتے۔

اسپینی رائٹر ڈاکٹر جان لیک نے اپنی کتاب (العرب) میں اپنے احساسات کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے

محمدﷺ کی سیرت پاک اس سے اچھے انداز میں بیان نہیں کی جاسکتی ہے جتنی کہ اللہ تعالیٰ نے (**وما ارسلناک الا رحمة للعالمين**) کے مختصر الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔اور حضورﷺ نے اپنی ذات مبارکہ سے اسکا عملی نمونہ پیش کیا ہے آپﷺ کے یہاں کمزوروں محتاجوں، مصیبت زدہ لوگوں کے لئے مدد و نصرت، ایثار و ہمدردی قدم قدم پر موجود ہے۔واقعی محمدﷺ یتیموں، مسکینوں، بیواؤں، کمزوروں اور مزدوروں کے لئے حقیقی رحمت تھے۔میں انتہائی شوق اور والہانہ جذبہ سے آپﷺ پر درود بھیجتا ہوں **اصلی علیه وعلی اتباعه**۔جان لیک (العرب ص ۴۳)۔

ڈاکٹر واشنگٹن ایرونگ اپنی کتاب (حیاۃ محمدﷺ) میں آپ کی رسالت اور بلند اخلاق پر دلیل پیش کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد آپ کا عمدہ برتاؤ اور اخلاق رحیمانہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپﷺ نبی مرسل ہیں نہ کہ ایک فاتح جرنیل کیوں کہ آپ نے ہم وطنوں پر عفو و درگذر، اور رحمت و شفقت کے دریا بہادئے باوجودیکہ محمدﷺ کو ان ظالموں پر ہر طرح کا اختیار حاصل ہو چکا تھا پھر بھی آپﷺ نے عدل و انصاف سے دو قدم آگے بڑھ کر

فرانسیسی رسرچ اسکالر جوستاف لوبون کے طویل اقتباس سے صرف چند سطریں ملاحظہ ہوں ''اگر کسی کی شخصیت کو اس کے اعلیٰ مقاصد اور کردار کی بلندی سے پرکھا جاتا ہے تو بلا شبہ محمد ﷺ اب تک کی تاریخ میں سب سے عظیم شخصیت کے مالک رہے ہیں، مغربی علماء نے اب محمد ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ انصاف کرنا شروع کیا ہے باوجود یکہ مذہبی تعصب نے بہت سے مغربی مؤرخین کو آپ ﷺ کے فضل کا اعتراف کرنے سے اندھا بنا رکھا ہے''۔

بطور مثال یہ چند شہادتیں ذکر کی گئیں ورنہ آپ ﷺ کی شان مبارک میں غیر مسلموں کے اعتراف سے تاریخ بھری پڑی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اتباع کی توفیق بخشے اور آپ ﷺ کے اخلاق وکردار کو صحیح معنوں میں اپنانے کی توفیق بخشے۔ آمین، ثم آمین یارب العالمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعین۔

شفیق احمد قاسمی ﴿ریاض، سعودی عرب﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبى بعده۔ اما بعد :

مكانة الرسول ﷺ فى التعامل مع اصحابه واهمية الصلوة عليه

اس جہاں میں کوئی الہامی کتاب ایسی نہیں جس کے بارے میں یہ دعوی اس کے ماننے والے بھی کرسکیں کہ وہ تحریف وتغییر سے محفوظ ہے۔اور آج جو اوراق اس کے محفوظ ہیں من وعن وہی اور بالکل وہی ہیں جو آسمان سے نازل ہوئے تھے۔البتہ قرآن کریم ایک ایسی الہامی کتاب کہ چودہ سو سال کی طویل مدت میں خود اغیار واجانب واعداء کا اعتراف ہے کہ اسکے ایک حرف اور نقطے اور ایک شوشے میں بھی فرق نہیں آیا ہے۔آج جو قرآن کریم دنیا میں موجود ہے بالکل وہی ہے جو اللہ سبحانہ تعالی کی طرف سے حضرت جبرئیل امین کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔وہ ہر تغیر سے نا آشنا اور ہر تحریف سے پاک ہے

۔

اسی طرح دنیا میں کوئی رسول اور نبی ایسا نہیں ہے جس کی زندگی کے شب وروز پوری تفصیل اور صحت واستناد کے ساتھ موجود ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امتوں کے پاس کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں ان انبیاء کے حالات وسوانح جامع ومکمل طور پر نہ سہی مختصر اور مجمل طور پر ہی سہی مرتب ومحفوظ ہوں بلکہ یوں کہا جائے کہ کوئی ایسی کتاب بھی نہیں ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کی حیات گرامی کا کوئی ایک دن بھی ضروری تفصیل کے ساتھ موجود ہو بلکہ یوں دعویٰ کیا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ کوئی ایسا واقعہ تک بھی نہیں جس کو سند مسلسل کے ساتھ پیش کیا جاسکے اور جسکی صحت شک وشبہ اور تنازع واختلاف سے بالاتر ہو۔

ہاں: سید الانبیاء والمرسلین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا ایک ایک واقعہ ایک ایک حادثہ، آپ کی گفتار وکردار، امر ونہی، وضع وطریق، اور افعال واقوال کا پورا مجموعہ بلاشائبہ ریب وشک سند مسلسل کے ساتھ موجود ہے اور ہر طرح کے اختلاف ونزاع سے بالاتر ہے جس کی صحت وصداقت وہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں جو نہ اسلام کو دین الٰہی تسلیم کرتے ہیں نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق !''**فا الحمد على ذلک**'' قرآن کریم کے بارے میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔'' **وانا له لحافظون**''چنانچہ اللہ نے اسکی حفاظت فرمائی ہے وہ آج تک موجود ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا۔

سرکار دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ کو اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔فرمایا: **"لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسن"** اور اس اسوۂ حسنہ پر عمل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ تفاصیل وصحت کے ساتھ منظر عام پر نہ ہو، پس ضروری تھا کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے شب وروز پوری تفاصیل جامعیت اور صحت کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائیں نیز آپ کے اقوال واعمال کا ایک ایک گوشہ اور ایک ایک لفظ نظر سے اوجھل نہ ہونے پائے، تاکہ طالبان حق وصداقت کیلئے اس نقش قدم کی پیروی آسان ہو جائے، آپ کا اسوۂ حسنہ سب کے سامنے ہے، کوئی بھی معلوم کرسکتا ہے کہ آپ کی عبادت وریاضت کا کیا عالم تھا؟ دوستوں کے ساتھ کیا سلوک اور دشمنوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ فوج کے سپہ سالار اور فاتح کی حیثیت سے آپکی کیا شخصیت تھی؟ گھر کے اندر وباہر آپ کے کیا اعمال واشغال تھے؟ عزیزوں کے ساتھ، دوستوں کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، پڑوسیوں کے ساتھ، نافرمانوں اور گستاخوں کے ساتھ، فداکاروں وجانثاروں کے ساتھ، بچوں کے ساتھ، بوڑھے حضرات کے ساتھ، مسافروں کے ساتھ، ادیان غیر کے پیروؤں کے ساتھ، جنگی قیدیوں کے ساتھ، ہجو کرنے والوں کے ساتھ، بیویوں کے ساتھ، بیٹی کے ساتھ، بھائی کے ساتھ، نواسا نواسیوں کے ساتھ اور ہم جلیسوں وہمدموں کے ساتھ آپ کا کیا رویہ تھا؟ جب کا آپ کا اسوۂ حسنہ پیش نظر ہو تب ہی ان سب معاملات کی وضاحت ممکن ہے اور آپ کے اس اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر آپ کے جمال جہاں آرا کا منظر پردۂ حقیقت پر رقصاں ہوتا ہے اور بے ساختہ زبان پر نعت وتحسین کا ترانہ جاری ہوتا ہے۔

دنیا کے اس عظیم ترین شخص کی نعت جو حقیقی اور صحیح معنوں میں انسان کامل تھا خود اس کے خالق نے کی ہے:" **وانک لعلیٰ خلق عظیم**" آسمانوں پر فرشتوں کو زمین پر انسانوں کو اس کی نعت کا حکم دیا اور تاکید فرمائی" **ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما**" اس واضح اور صاف نعت کے بعد نعت رسول کی اہمیت پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، یہی وجہ ہے کہ نعت رسول کا آغاز عہد نبوی میں ہی ہو چکا تھا اور وہ بھی جب آپ ہجرت کر کے یثرب تشریب لائے تو انصار مدینہ کی معصوم بچیوں کی زبان پر بے ساختہ یہ کلمات اشعار کی صورت میں جاری تھے:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا مادعا للہ داع

ایھا المبعوت فینا جئت الأمر المطاع

درحقیقت یہ کلمات الہامی تھے ورنہ معصوم اور کم سن بچیوں کی زبان موزوں ہو کر وہ الفاظ کیسے آ سکتے تھے جو ایک طرف جوش عقیدت سے سرشار تھے اور دوسری طرف ایسی حقیقت وصداقت کہ اس وقت تک کی ہر زبان کی تمام نعتوں کا نچوڑ اس میں آ گیا۔

پھر شاعر رسول حضرت حسان بن ثابتؓ کے نعتیہ قصائد ہیں جن کا ایک ایک حرف سراپائے رسول کا مرقع ہے۔ آپ ﷺ سے محبت وعقیدت ایمان کا لازمی حصہ ہے اور اسی محبت اور عقیدت کا اظہار نعت ہے۔ ہر دور اور ہر زمانے میں اور تقریباً ہر زبان میں نعت گوئی کا سلسلہ جاری رہا ہے۔

نعت سلطانوں اور شہریاروں کی مدح نہیں ہے یہ ذکر جمیل ہے اس نبی جلیل کا جس پر نبوت ختم ہوگئی ہے، اور جس نے اس زمانے میں جب دنیا سوائے نظام شہریاری کے کسی دوسرے نظام کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی، شورائی طرز حکومت کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ جب شاہی سے لے کر وزارت تک وراثت کا چلن تھا، اس نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا اور یہ امر امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔ جب اسیران جنگ میں مردوں کو غلام عورتوں کو باندی بنالیا جاتا تھا، اس نے صاحب استطاعت پر فدیہ عائد کیا اور غیر مستطیع کو پروانہ آزادی عطا فرمایا جب دنیا میں عورت ماں کی حیثیت سے، بہن کی حیثیت سے، لڑکی کی حیثیت سے، بیوی کی حیثیت سے، ترکے میں کوئی حق نہیں رکھتی تھی، اور اس سے ننگ انسانیت سلوک کیا جاتا تھا، اس کی دی ہوئی شریعت جہاں تک انسانی حقوق کا تعلق تھا، دونوں صنفوں کو ایک سطح پر لا کھڑا کیا، عورت کو وراثت میں حصہ دیا اس کو خلع کا حق دیا، نکاح کی قبولیت کیلئے اس کی منظوری لازمی کر دی، اس کو اپنی ذاتی املاک وجائیداد کا مالک تسلیم کیا، اس کی انفرادیت وشخصیت کا تحفظ کیا جب غلاموں کو جانوروں سے بدتر سمجھا جاتا تھا تو اس کی شریعت نے غلاموں کو صرف انسانی حقوق ہی نہیں دئے بلکہ تدریجی طور پر نظام غلامی ختم کرنے کا بندوبست بھی کر دیا غلام کو آزاد کرنے کیلئے اجر وثواب کی بشارت سنائی، گناہوں کے کفارے میں غلاموں کی آزادی کو ضروری قرار دیا، جسمانی مشقت والے امور میں مالک کو بھی غلام کے ساتھ تعاون کرنے کا حکم دیا، غلاموں کے ساتھ بد زبانی کی ممانعت فرمائی، حکم دیا کہ جو خود کھاؤ وہی انہیں بھی کھلاؤ، جو خود پہنوں وہی انھیں بھی پہناؤ، جب مجد وشرف کی بنیاد خاندان اور حسب نسب تھا اس نے "**إن اکرمکم عند اللہ اتقاکم**" فرما کر اس ظلم کا خاتمہ کر دیا، جب بڑوں کیلئے کسی جرم ومعصیت پر احتساب کا روج نہ تھا، اور چھوٹوں کیلئے معمولی خطائیں بھی برقِ جاں سوز کی حیثیت رکھتی تھیں، اس نے عدل میں مساوات کا ناقابل تلافی حکم ان الفاظ میں دیا" خدا کی قسم اگر فاطمہؓ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرے گی تو اس کو قطع ید کی سزا دی جائے گی جب انسانی اور بنیادی حقوق کا کوئی منشور عالم خیال میں بھی وجود پذیر نہیں تھا۔ اس نے انسانی اور بنیادی حقوق کا پروانہ دکھی انسانیت کو عطا فرمایا۔

اور جب اس دنیا سے رخصت ہونے لگا تو پوچھا: عائشہؓ وہ جو سونا میں نے تمہارے پاس رکھوایا تھا اس کا کیا کیا؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا" رکھا ہے" فرمایا عائشہؓ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں اپنے رب سے اس حال میں ملوں کہ وہ مجھ سے بدگمان ہو؟ اس کو ابھی مستحقین میں تقسیم کر دو۔

اور جس کا اپنی چہیتی بیٹی فاطمہؓ کے [illegible]

پیستے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے تو انھوں نے ایک خادم کی درخواست کی تو جواب میں خادم کے بجائے یہ فرمایا: کیا تمھیں اس سے بھی اچھی چیز نہ عطا کردوں؟ یہ کہہ کر چند دعاؤں کی تلقین فرمادی یادرہے کہ یہ جواب یثرب کے مہاجر کا نہ تھا فاتح مکہ کا تھا جس کی سیرت یہ ہو، بلکہ حضرت عائشہؓ کے زبان میں ''کان خلقه القرآن'' آپکی سیرت قرآن کا پرتو ہے حق یہ ہے کہ اس کی نعت میں جن و بشر شب و روز منہمک رہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم خدا اور اس کے رسول سے محبت اپنی جانثاری و سرشاری کی وجہ سے اس اعزاز کے مستحق ہوئے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں ان کی متعدد مقامات پر تعریف فرمائی صحابہؓ کا تعلق آپ ﷺ سے محض متبع و مطاع اور حاکم محکوم کا تعلق ہی نہ تھا بلکہ تمام صحابہؓ آپ ﷺ پر جان چھڑکتے تھے اور آپ ﷺ کی ذات ان کے نزدیک دنیا کی محبوب ترین ذات تھی چنانچہ جب بھی آپ ﷺ سے مخاطب ہوتے تو یہ ضرور کہتے کہ آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کے والہانہ عشق کو دیکھنا ہو تو اسوۂ صحابہؓ کا مطالعہ ضروری ہے۔ نعت بھی عشق رسول کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے چنانچہ بعض صحابۂ کرام حضور اکرم ﷺ کی نعت کی شکل میں اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا اظہار کرتے تھے جب خود آپ ﷺ سے صحابہ کرامؓ معلوم کرتے تھے کہ آپ ﷺ پر کس طرح درود و سلام بھیجیں؟ تو آپ ﷺ نے مختلف مقامات پر صحابہ کرام کو وہ الفاظ سکھائے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز والے الفاظ کو افضل قرار دیا ہے، وہ یہ ہیں۔: **اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید.** ہمارے عظیم محسن سرور کائنات آقائے نامدار محمد ﷺ پر بکثرت درود و سلام کا عمل آپ ﷺ سے سچی محبت و عقیدت کا تقاضہ ہے اور آپ نے ایسے شخص کو اپنی معیت اور صحبت کا سب سے زیادہ مستحق قرار دیا ہے جو سب سے زیادہ آپ پر درود و سلام بھیجے، (ترمذی)

''آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس بار رحمت نازل فرماتے ہیں، اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، دس گناہ مٹائے جاتے ہیں دس درجے بلند کئے جاتے ہیں (نسائی) اور وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے (ترمذی)

یہ حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کے بے پایاں احسانات اور بے نہایت رحمت و شفقت کا ہم کوئی بدلہ نہیں دے سکتے اگر کچھ کر سکتے ہیں تو صرف یہ کہ عقیدت و محبت اور فداکاری و جانثاری کے گہرے جذبات کے ساتھ آپ ﷺ کے حضور میں درود و سلام کے تحفے پیش کریں اور یہ دعا کریں کہ اے اللہ تیرے نبی ﷺ نے ہماری خاطر شب و روز جولرزہ خیز تکالیف برداشت فرما کر ہم تک دین کی روشنی پہنچائی اور ہماری ہدایت کے لئے طرح طرح کی پریشانیاں صبر و تحمل کے ساتھ برداشت فرمائیں اے پروردگار تو ان پر بے حساب رحمتیں نازل فرما، اور انکے درجات کو بلند فرما اور انکے دین کو باطل پرستوں کی یلغار سے سلامت فرما اور فروغ عطا فرما، اور آخرت میں انھیں تمام مقربین سے بڑھ کر اپنا تقرب عطا فرما، آمین ثم آمین۔

اس مختصر سے کلمات کا خاتمہ اس خدائی نعت پر کرتا ہوں جس کا ذکر آغاز میں کیا جا چکا ہے۔

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یآایھا الذین أمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً

ابوعبدالمجید / احتشام الحق الحسن

بنوقریظہ کا قتل: ان کے اپنے گناہوں کی سزا تھی نہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سفاکیت

غفران ساجد قاسمی

قرآن مجید میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف صفات کا ذکر آیا ہے، یہ تمام صفات اپنی جگہ اہم ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن کو بتلاتے ہیں، لیکن ان تمام صفتوں میں سب سے اہم صفت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری انسانیت کے لیے رحمت بن کر آنا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ کو پوری کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا: وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین: (الانبیا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم انسانیت کے لیے رحمت ہونا محض ایک دعویٰ نہیں، بلکہ ایک حقیقت ہے، اور شاید ہی دنیا کی کسی شخصیت کے بارے میں ایسا دعویٰ کیا ہو، اور یہ دعویٰ جتنا عظیم ہے، حقیقت سے اتنا ہی قریب بھی ہے۔

قرآن مجید حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی تعلیمات ومعمولات سے عبارت ہے اور سیرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داستان حیات ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو محدثین اور سیرت نگاروں سے بیان کرنے سے رہ گیا ہو، آپ حدیث کے ذخائر کا مطالعہ کر لیجیے، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا حرف بہ حرف مطالعہ کر جائیں اپ کو کہیں کوئی ایسا ادنیٰ واقعہ بھی نظر نہیں آئے گا جس سے یہ پتہ چلے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے کسی موڑ پر کسی انسان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنوں کے ساتھ بھی نرمی ومحبت کا معاملہ رکھا اور جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیشہ بغض وعناد اور دشمنی کا معاملہ رکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ بھی ہمیشہ محبت اور انسانیت کا سلوک کیا۔ لیکن ان سب کے باوجود کچھ لوگ اسلام دشمنی میں اتنے آگے نکل گئے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں سے کچھ ایسے واقعات کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے کچھ اس طرح بیان کیا کہ عام انسان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمت عالم کا دعویٰ غلط محسوس ہو، اور یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تاریخ مستشرقین کے نام سے جانتے ہیں۔

مستشرقین کے بارے میں عام لوگوں کا یہی خیال ہے کہ وہ بہت ہی ذہین اور اسلامیات پر ان کی بڑی گہری پکڑ ہوتی ہے، اور انہوں نے بہت ساری اسلامی کتابوں کو اپنی تحقیق سے مزین کر کے شائع کیا ہے، اور کچھ حد تک یہ صحیح بھی ہے، لیکن یہ صرف دکھانے کے دانت ہیں، بلکہ کھانے کے دانت کچھ اور ہی ہیں، دراصل یہ کام عوام الناس کو فریب میں ڈالنے کے لیے ہے کہ ہم واقعتاً اسلام کے خیر خواہ اور اسلامی اسکالر ہیں، لیکن درحقیقت ان کا مقصد عوام کو اسلام کے خلاف بھڑکانا اور اسلامی تعلیمات سے بیزار کرنا ہے لیکن ہمیشہ وہ اپنے ناپاک مقصد میں ناکام رہے۔

یوں تو مستشرقین نے قرآن، حدیث اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بہت سارے اعتراضات کیے ہیں، اور علمائے دین نے ان کا منہ توڑ جواب دیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ کے کئی گوشوں پر انہوں نے اپنی ناپاک نگاہ ڈالی اور اپنے قلم کی جولانی دکھلائی ہے لیکن اس کے باوجود وہ دنیا کے سامنے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے، ہاں ایسے لوگ ضرور ان کی تحریر سے متاثر ہوئے جن کے قلوب کو اللہ نے ہدایت نہیں دی۔ مستشرقین نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت سارے اعتراضات کیے ہیں، ان تمام کے تفصیل میں جانے کا تو وقت نہیں ہے، لیکن اس وقت ایک ایسے واقعہ پر روشنی ڈالنے جا رہا ہوں جس کو بنیاد بنا کر مستشرقین نے یہ اعتراض کر ڈالا کہ نعوذ باللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ بنوقریظہ کا قتل عام کرو۔

مستشرقین کا یہ اعتراض ہے کہ غزوۂ بنوقریظہ کے موقع پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے مسلمانوں نے یہودیوں کا قتل عام کیا، یہ سفاکیت اور دہشت گردی ہی نہیں بل کہ یہ ایک غیر انسانی فعل ہے!

مستشرقین حضرات کے دیگر اعتراض کی طرح مذکورہ اعتراض بھی صرف ظاہر حالت کو دیکھ کر کیا گیا ہے، ذرا یہ حضرات اپنی سطح سے بلند ہو کر اور واقعات ومشاہدات کی باریکی کو سمجھیں تو شاید انہیں کبھی کوئی اعتراض نہ پیدا ہو، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مذکورہ اعتراض کا جواب سمجھنے سے پہلے چند باتیں سمجھ لی جائیں

بنوقریظہ کی مختصر تاریخ:

بنوقریظہ مدینہ میں آباد یہود کے تین بڑے قبیلوں میں سے ایک تھا، یہ شہر مدینہ کے اطراف میں بستے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو ضروری سمجھا کہ اطراف وجوانب میں جو یہودی بستے ہیں ان سے معاہدے کر لیے جائیں تا کہ مسلمانوں کے جان اور اموال محفوظ رہیں یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام کو عروج ہو رہا تھا اور اطراف واکناف کے یہودیوں پر اسلام کا رعب بیٹھتا جا رہا تھا، گرچہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور یہ خوف مستقل دامن گیر رہتا تھا کہ مشرکین عرب سے سانٹھ گانٹھ کر کے مسلمانوں کو نقصان پہونچائے، اسی فکر کی وجہ اور حفظ ماتقدم کے پیش نظر آپؐ نے جن قبیلوں سے معاہدے کئے، ان میں یہود کے تین بڑے قبیلے بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ تھے، اس میں بنوقریظہ سب سے شریر اور بدزبان جماعت تھی، آخر کار یہ تینوں قبیلے معاہدے کی خلاف ورزی کی وجہ سے قتل کئے گئے۔

یہودیوں کے قتل عام کی وجہ:

علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''سیرۃ النبیؐ'' میں فتح الباری کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جب بنونضیر کو مدینہ سے نکال دیا گیا تو انہوں نے اس مرتبہ ایک عظیم الشان سازش رچنی شروع کی، ان کے رؤساء میں سے سلام بن ابی الحقیق، حیئ بن اخطب، کنانہ بن الربیع وغیرہ مکہ معظّمہ گئے اور اور قریش سے مل کر کہا کہ اگر ہمارا ساتھ دو تو اس مرتبہ اسلام کا خاتمہ کر دیا جائے۔ قریش ؛جن کی ہمیشہ سے یہ دلی خواہش تھی وہ تیار ہو گئے، پھر قبیلۂ غطفان کو خیبر کے محاصل کا لالچ دے کر تیار کیا، بنواسد یہ قبیلۂ غطفان کے حلیف تھے، اسی طرح بنوسلیم سے قریش کی قرابت تھی، اور بنوسعد کا قبیلہ یہود کا حلیف تھا۔ الغرض انھوں نے پوری تگ ودو کر کے ایک اچھا خاصا لشکر تیار کر لیا جن کی تعداد دس ہزار تھی، ابوسفیان (جو اب تک مشرف بہ اسلام نہ ہو سکے تھے) اس لشکر جرار کا سپہ سالار تھے، اور اس لشکر کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو صحابہؓ سے مشورہ کیا اور پھر حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے ایک خندق کھودی، جو اہل عرب کے لیے ایک نئی چیز تھی اور اس طرح سے کفار کے لشکر کو مدینہ کے باہر ہی روک لیا، یہ واقعہ سن ۵ رہجری کا ہے، اور یہی غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق کے نام سے مشہور ہے۔ بنوقریظہ جو اب تک یہودیوں سے الگ تھے، حیئ بن اخطب کے بہکاوے میں آکر مشرکین عرب کے لشکر میں شامل ہو گئے اور اعلانیہ معاہدہ توڑ دیا۔ (اور معاہدہ کا توڑنا ہی ان کے قتل عام کا سبب بنا) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ملی تو اتمام حجت کے لیے سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ کو بھیجا، جب ان حضرات نے انہیں معاہدہ یاد دلایا تو ان لوگوں نے کہا ''ہم نہیں جانتے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں اور معاہدہ کیا چیز ہے؟'' بالآخر ایک مہینے کے طویل محاصرے کے بعد یہ جنگ ختم ہوئی اور بعض ایسے حالات پیش آئے کہ کفار اپنے لشکر کو لے کر اوندھے منھ بھاگے، اور جیسے ہی صحابہ کرامؓ مدینہ لوٹے، آپؐ نے حکم دیا کہ ابھی ہتھیار باندھے رہو اور قریظہ کی جانب کوچ کرو، اسی موقع پر یہ بھی فرمایا کہ عصر کی نماز قریظہ میں جا کر ادا کرو۔ (جس میں بعض صحابہ کو مفہوم کا اختلاف ہو گیا) اور اسلامی لشکر نے بنوقریظہ کا محاصرہ کر لیا۔ ایک مہینے کے طویل محاصرے کے بعد بنوقریظہ نے یہ درخواست پیش کی کہ حضرت سعد بن معاذؓ جو فیصلہ کریں ہمیں منظور ہے، اگر وہ لوگ صلح وآشتی کے ساتھ مان جاتے تو کچھ نہیں ہوتا لیکن انھوں نے علانیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں۔

یہ فیصلہ خود ان کا اپنا تجویز کردہ تھا:

جب حضرت سعد بن معاذؓ کو حَکم بنایا گیا تو پہلے انھوں نے یہ پوچھا کہ کیا میرا فیصلہ نافذ ہوگا؟ سبھوں نے جواب دیا: ہاں! پھر فرمایا: کیا مسلمان اسے قبول کریں گے؟ جواب ملا: ہاں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ادباً اشارہ کر کے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! تو حضرت سعد بن معاذؓ نے فرمایا کہ ان تمام ملعونوں کو قتل کر دیا جائے، ان کے اولاد گرفتار کر لیے جائیں، اور ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد نے بالکل تورات کے مطابق فیصلہ کیا ہے، کیوں کہ اس وقت تک جن مسائل کے بارے میں قرآن کریم نازل نہیں ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تورات کے مطابق ہی فیصلہ کیا کرتے تھے۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ شریعت موسوی کے مطابق:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ یہ تھی کہ ان معاملات میں جس کے بارے میں قرآن مجید میں کوئی صریح حکم نہیں آیا ہو آپ گزشتہ شریعت کے

جاسکتا ہے۔غالباً یہی وجہ تھی ،حضرت سعدرضی اللہ عنہ جوشریعت موسوی کے مزاج شناس تھے۔نے بھی ان یہودیوں کافیصلہ تورات کے مطابق فرمایا، چناں چہ توراۃ، کتاب تثنیہ، اصحاح ۲۰، آیت ۱۰ر میں ہے۔

''جب کسی شہر پرحملہ کرنے کے لیے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ صلح تسلیم کرلیں اور تیرے لیے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہیں سب تیرے غلام ہو جائیں گے،لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو ان کا محاصرہ کراور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کردے، باقی بچے، عورتیں، جانوراور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لیے مال غنیمت ہوں گے''۔

اسی طرح جب یہودیوں کو یہ حکم سنایا گیا تو ان کی زبان سے جوفقرے نکلے وہ بھی توراہ کے اسی حکم کی جانب اشارہ کرتا تھا، مثلاً جب حیَ بن اخطب کوقتل میں لایا گیا تو اس نے کہا کہ ''جوشخص اللہ چھوڑ دیتا ہے، اللہ اسے چھوڑ دیتا ہے''اسی طرح لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ ''خدا کے حکم کی تعمیل میں کوئی مضائقہ نہیں یہ حکم الٰہی تھا یہ لکھا ہوا تھا ایک سزا تھی جوخدا نے بنی اسرائیل پر لکھی تھی'' کتاب توراۃ کے گنتی کا ۳۱ باب از ۶ر تا ۳۵، تقریباً اسی طرح کے سزا کے بارے میں ہے کچھ کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

''۹۔بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں، ان کے بچوں کواسیر کیا، ان کے حواشی اور مال و اسباب کولوٹ لیااوران کے سارے شہروں اور قلعوں کو پھونک دیا۔۱۴۔موسیٰ، غصہ ہوا۔۱۵۔کہ کیا تم نے سب عورتوں کو جیتا رکھا۔۱۷۔تم ان بچوں کو جتنے لڑکے ہیں سب کو قتل کردو، اور ہر عورت جومرد کی صحبت سے واقف تھی جان سے مارو،۱۸۔لیکن وے لڑکیاں جومرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوتیں ان کو اپنے لیے زندہ رکھو۔(حاشیہ رحمۃ للعالمین:۱/۱۳۴)

اسی طرح ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں اس طرح کی عبارت ملتی ہے۔رگ وید منڈل ۴ر منتر ۱۶ر رچا ۱۰ر میں ہے کہ:

''اس نے پچاس ہزار سیاہ فام دشمنوں کولڑائی میں تباہ وغارت کیا''۔صفحہ ۳۴ر قدیم ہندوستان کی تہذیب۔

رگ وید منڈل ۱۰ر منتر ۴۹ر رچا ۷ر میں ہے کہ:

''ہم نے داسوں (غلاموں) کودوٹکڑے میں کردیا، قضاوقدر نے ان کواسی واسطے پیدا کیا تھا''۔صفحہ:۳۸ر قدیم ہندوستان

رگ وید منڈل ۲ر منتر ۲۰ر رچا ۶، ۷ر میں ہے کہ:

''وہ اندر جس نے ورترا کوقتل کیااور جس نے قصبے اور گاؤں گاؤں تہ وبالا کردیئے، وہ جو کالے داسوں کی فوجوں کوتباہ کرتا ہے''۔صفحہ ۳۷ر قدیم ہندوستان کی تہذیب۔مسٹر آر،سی،دت۔بحوالہ: حاشیہ رحمۃ للعالمین:۱/۱۳۴

مذکورہ اقتباسات سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ یہ حکم صرف اسلام میں ہی نہیں ہے بل کہ تمام ادیان ومذاہب میں اس طرح کے احکام ملتے ہیں اوران کے ساتھ جو کچھ بھی ہواوہ ان کے کرموں کا ہی پھل تھا، کیوں کہ تاریخ وسیر کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی ناگزیر حالات میں جنگ کیا کرتے تھے، آپؐ ہمیشہ صلح وامن کا پہلو اختیار کرتے تھے، جیسا کہ خود ان کے حالات میں ہے کہ انھوں نے دوسری بار نقض معاہدہ کیا تھا اور علی الاعلان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حریفوں کا ساتھ دیا تھا اور بدعہدی کی جوسزا تھی وہ انھیں ملی، نہ کہ سفاکیت اور دہشت گردی کا مظاہرہ کیا گیا۔

☆سابق چیف ایڈیٹر: ندائے بصیرت ململ مدھوبنی بہار
مقیم ریاض۔حی الروضہ۔پوسٹ بکس۔۱۰۵۲۴۷۔سعودی عربیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کا امت مسلمہ کو کسب حلال کی تلقین

إن الحمد لله، نحمده،ونستعينه،ونستغره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيئاتِ أعمالنا، ومن يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهدأن محمدا عبده ورسوله، أما بعد:

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسان کو پیدا فرمایا تو اس کے ساتھ اس کی ضرورتیں بھی رکھیں یعنی اس کو صاحب احتیاج بنایا پیٹ بھرنے کے لئے کھانا ، پیاس بجھانے کے لئے پانی، بدن ڈھانپنے اور سردی گرمی سے بچاو کے لئے لباس، بود و باش کے لئے مکان وغیرہ سب ضرورتیں انسان کے ساتھ وابستہ ہیں۔ فی الحقیقت انسان جن چیزوں سے راحت حاصل کرتا اور مستفید ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بیش بہا نعمتیں ہیں، ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانا اور ان کے حصول میں جدوجہد کرنا اور ان سے متمتع ہو کر ان سے فائدہ حاصل کر کے حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا یہ مستحسن بھی ہے اور پسندیدہ بھی نیز کار ثواب بھی ہے۔ اللہ کی نعمتیں بےحد وحساب ہیں ا ن سب کا شمار ممکن نہیں. یہ زندگی نعمت ہے، یہ صحت یابی نعمت ہے، یہ آنکھیں نعمت ہیں، یہ کان نعمت ہیں، یہ دل نعمت ہے، پیر نعمت ہے، ہاتھ نعمت ہے،جسم نعمت ہے، دماغ نعمت ہے،اولاد نعمت ہے، بیوی نعمت ہے، زمین نعمت ہے،آسمان نعمت ہے، بارش نعمت ہے، ہوا نعمت ہے، پھل نعمت ہے، چاند نعمت ہے، سورج نعمت ہے، اور خود آپ کی زندگی نعمت ہے۔ مگر ان ساری نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت، نعمتِ اسلام ہے۔

ارشادی باری تعالی ہے:

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّـهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّـهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (١١٤: النحل) "جو کچھ حلال اور پاکیزہ روزی اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکرأداء کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو"

اسلامی تعلیمات کے مطابق خالق کائنات نے سب بنیادی ضرورتیں، سہولتیں، آسائشیں اور زیبائش کی چیزیں اس زمین میں پیدا کر رکھی ہیں ، جیسے قرآن مجید کا ارشاد ہے **(وجعلنالکم فیھا معایش ومن لستم لہ برازقین)** . "ہم نے تمہارے لئے رزق کے وسائل پیدا کر دیئے ہیں اوران کے لیے بھی جن کو تم رزق نہیں پہنچاتے۔" و قال اللہ تعالـــی:

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَازَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (الرعد: ٣) . " اسی نے زمین پھیلا کر بچھا دی ہے اور اس میں پہاڑ اور نہریں پیدا کردی ہیں۔ اور اس میں ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے دوہرے دوہرے پیدا کردیئے ہیں، وہ رات کو دن سے چھپا دیتا ہے۔ یقیناً غور وفکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں " لیکن اسلام چاہتا ہے کہ ہر شخص خود جدوجہد کرکے ان وسائل کو حاصل کرے، پھر ان سے اپنی ضرورتیں اورجائز خواہشیں پوری کرے، جس طرح مندرجہ ذیل آیات، احادیث اور سلف صالحین کے اقوال اور کردار سے ظاہر ہے۔

ارشاد ربانی ہے:
فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّـهِ وَاذْكُرُوا اللَّـهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (١٠ الجمعة) " پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا کرو تاکہ تم فلاح پالو"
اس میں پہلا حکم عبادت ہے پھر عبادت کے بعد رزق حلال کی تلاش کا حکم ہے۔ایک طرف اللہ نے جہاں اپنی عبادت کا حکم دیا، وہیں کسب معاش کے لیے زمین میں پھیل جانے کا بھی حکم دیا۔ چونکہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اہل ایمان کا شیوہ نہیں ہے۔ بلکہ حلال رزق کے لیے محنت کرنا، اہل ایمان کی شان ہے۔ یہ دونوں چیزیں مندرجہ بالانصوص سے واضح ہوتی ہیں۔
اس فطری ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے کسب حلال کا اصول دنیائے انسانیت کے سامنے پیش کیا؛ تاکہ انسان صحیح زندگی گزار سکے، اس کی دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی بن جائے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے طیبات یعنی پاکیزہ چیزوں کو ہمارے لیے حلال قراردیا اور خباثت کو حرام ٹھہرایا ہے۔ چونکہ جو طیبات میں سے ہیں وہ فی نفسہ بھی اچھی چیزیں ہیں اور جسم اور عقل کے لیے بھی مفید اور غیرضرر رساں ہیں۔ اور جو حرام طریقہ سے کمایا جاتاہے وہ ہر طرح سے مضر ہوتاہے جسم کے لیےبھی دماغ کےلیے بھی اور ایمان کے لیے بھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے رزق کی ذمہ داری اپنے اوپر لے رکھی ہے۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال کے ذریعہ اس کو مزید واضح کردیا ہے۔
"عن عمر بن الخطاب قال: لو أنكم توكلون على الله حق توكله لرزقكم كما يرزق الطير تغدو خماصا وتروح بطانا" رواه الإمام أحمد والترمذى والنسائى وابن ماجه وابن حبان والحاكم وقال الترمذي حسن صحيح (قال أبو عيسى هذا حديث حسن صحيح) [سنن الترمذى:٢٣٤٤، صحيح الألبانى]
" اگر تم اللہ پر کما حقہ اعتماد کرلو، تو جس طرح وہ پرندوں کو روزی دیتا ہے، اسی طرح تم کو بھی دےگا کہ وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اورشام کو پیٹ بھرے واپس ہوتے ہیں۔"
اگر مذکورہ تمام آیات اور اس حدیث کا آپ بغور مطالعہ کریں تو یہ بالکل صاف ہوجائےگا کہ رزق کی ذمہ داری اللہ پر ہے۔ وہ کسی کو بھوکے مرنے نہیں دےگا۔ جب وہ ایک پرندہ کو روزی دیتاہے، تو انسان کو بدرجہ اولیٰ دےگا۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے : : **(وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ)[هود:٦]** "زمین پرچلنےپھرنےوالےجتنےجاندارہیں سب کی روزیاں اللہ تعالی پر ہیں وہی ان کےرہنےسہنےکی جگہ کو جانتا ہےاور ان کےسونپےجانےکی جگہ کوبھی، سب کچھ واضح کتاب میں موجود ہے۔" مگر انسان سمجھتا کہا ں ہے۔ جبکہ اللہ ہی رزّاق ہے۔ یعنی بہت زیادہ دینے والا، خود مختار اور بہت طاقتور ہے۔
ارشاد ربانی ہے: **(إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ)[الذاريات:٥٨]** "اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کاروزی رساں توانائی والا اور زورآورہے۔"
ایک بہت مشہور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا:
عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: (إن الله تعالى طيب لا يقبل إلا طيبا وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين فقال تعالى: (يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ). وقال تعالى: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا

رَزَقْنَاكُمْ). ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء يا رب يارب ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذي بالحرام فأنى يستجاب له) رواه مسلم.

"یقینا اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی کو قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو نبیوں اور رسولوں کو حکم دیا ہے، وہی عام مسلمانوں کو بھی حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: اے رسولو! تم پاکیزہ چیزوں کوکھاؤ، اور اچھے کام کرو۔ اور اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کا ذکر کیا، جو لمبا سفر کرتا ہے، پراگندہ حال، گرد آلود اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھائے رہتاہے اور گڑگڑا کردعا مانگتا ہے کہ اے میرے رب! اے میرے رب! تو ایسا کر، یہ دے دے، وہ دے دے، حالانکہ اس کا کھا نا حرام ہے، پینا حرام ہے، اور اس کا پہننا حرام ہے، اور حرام مال ہی سے اس کی پرورش ہوئی ہے۔ تو اس کی دعا کس طرح قبول کی جائےگی۔ اس حدیث سے پتہ چلاکہ رزق حلال کتنی اہم چیز ہے اس کے بغیر دعا تک قبول نہیں ہوتی ہے ۔

یہی سبب ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضي الله عنه آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں کہ:" اے اللہ کے رسول ! میرے حق میں د عا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری ہر دعا قبول فرمائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سعد! تم اپنا کھانا پاک اور حلال بناؤ تو اللہ تعالیٰ تمہاری ہر دعا قبول فرمائے گا۔"

ایک اورروایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :" جس نے پاک اور حلال کمائی سے ایک کھجور جتنی چیز صدقہ کی تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول فرماتے ہیں اوراسے صدقہ کر نے والے کے لیے پالتے ہیں، جیسے تم گھوڑے کے بچے پالتے ہو،یہاں تک کہ قیامت کے دن وہ چیز پہاڑ جتنی وزنی اوربھاری ہو گی۔"

حضرت ابو ایوب انصاریرضي الله عنه سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص چالیس دن تک حلال رزق کھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نورانیت سے بھر دیتا ہے اور اس کے دل اور زبان سے حکمت اور دانش مندی کے چشمے جاری کر دیتا ہے۔"

ایک مرتبہ ایک صاحب خدمت نبوی صلی اللہ علیہ و سلم میں حاضر ہوئے اور سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے دریافت فرمایا کیا تیرے گھر میں کچھ ہے؟ انھوں نے کہا کہ ایک کمبل ہے اور ایک پانی پینے کا پیالہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے وہ لے کر دو درہم میں اس کو نیلام کیا اور دو درہم اس کو دے کر کہا ایک درہم کا غلہ خرید کر گھر میں ڈال دو اور دوسرے درہم سے کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاو۔ چنانچہ ان صاحب نے ایسا ہی کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنے دست مبارک سے اس میں لکڑی لگائی اور فرمایا جنگل سے لکڑی کاٹ کر بیچو اور پندرہ دن تک میں تم کو نہ دیکھوں، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ جب دس درہم کما لئے تو خدمت نبوی صلی اللہ علیہ و سلم میں حاضر ہوئے، چند درہم کا کپڑا خریدا چند کا کھانا، حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ بھیک کا داغ قیامت کے دن لے کر کرآو۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کیا تو آپ نے ان کی ہتھیلیوں میں سختی محسوس کی آپ نے اس کا سبب دریافت کیا تو حضرت معاذ نے عرض کیا کہ کام کرنے کی وجہ سے سخت ہوگیا ہے تو آپ نے فرمایا: (**هذه يد يحبها الله ورسوله ولا تمسها النار**)، " یہ وہ ہاتھ جسے اللہ اور اسکے رسول کو پسندیدہ ہے اور اسے آگ نہیں چھو سکتی " آپ نے یہ بھی فرمایا :(**أشد الناس عذابا يوم**

القيامة المكفى الفارغ أي الذي يكفيه غيره مطالب معيشته)، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أمسى كالا (متعباً) من عمل يده أمسى مغفوراً له'. وعن أنس رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه و سلم قال:(طلب الحلال واجب على كل مسلم).” قیامت کے دن بہت سخت عذاب میں وہ بیکار شخص ہوگا جو اپنی زندگی کی ضروریات غیروں سے مانگ کر پوری کرتاہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاکہ جس شخص نے اپنے ہاتھ سے کام کرتے ہوئے شام کیا تو اسکی مغفرت کردی گئی ۔ حضرت انس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہی کہ آپ نے فرمایا” ہر مسلم پر حلال روزی طلب کرنا واجب ہے”

اسلام ایسا دین فطرت ہے جو فرد اور سوسائیٹی کی تمام ضروریات کو پوری کرتاہے۔ زندگی کے جملہ امور کو منظم کرتاہے ۔ یہ دین عظیم، دین بھی ہے اور حکومت بھی ؛ عمل بھی اور اجتہاد بھی ؛ قرآن بھی ہے اور تلوار بھی ؛ عقیدہ بھی ہے اور عبادت بھی؛ اخلاق بھی ہے اور آداب بھی ؛ عبادت بھی ہے اور اکتساب بھی؛ ایك مسلم کو اسطرح اعمال صالحہ کرنا چاہئیے گویاکہ کل ہی مرنے والاہے ۔ اور اپنی دنیا کیلئے اس طرح محنت و مشقت کرني چاہیئے گویاکہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔

بلا شبہ حلال کی طلب اور اس کی جستجو واجب، ضروری اور لازمی امر ہے۔ قیامت کے دن بندے کے قدم اس وقت تک ہل نہیں سکتے جب تک کہ اس کے مال کے بارے میں نہ پوچھ لیاجائے کہ اس نے اسے کہاں سے کمایا اور کن چیزوں میں خرچ کیا ؟ عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : { لا تزول قدما ابن آدم يوم القيامة من عند ربه حتى يسأل عن خمس عن عمره فيما أفناه وعن شبابه فيما أبلاه وعن ماله من أين أكتسبه وفيم أنفقه وما عمل فيما علم } أخرجه الترمذي وقال : هذا حديث حسن صحيح في كتاب صفة القيامة} اس لیے ہر مسلمان مرد اور عورت پر لازم ہے کہ وہ پاکیزہ کمائی اور صاف ستھرے عمل کی جستجو میں رہے تاکہ وہ حلال کھائے اور حلال چیزوں میں خرچ کرے اور حرام اور جس کے حرام ہونے کا شبہ ہو ان سے بچارہے ۔ کیونکہ جہنم اس جسم کے زیادہ لائق ہے جو حرام سے پلا ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو مخاطب کرتے ہو فرمایا: یاعمرو! نعم العمل الصالح مع الرجل الصالح)[صحيح ابن حبان. قال شعيب الاؤط إسناده قوى على شرط مسلم] "اے عمرو! اچھا عمل، اچھے آدمی کے ساتھ کتنا اچھا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:“كسب الحلال فريضة بعد الفريضه”.“ رزق حلال کی تلاش فریضہ عبادت کے بعد اہم فرض ہے۔” ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:“ اپنے لیے اوراپنے اہل وعیال کے لیے حلال رزق تلاش کرو، یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے ۔” ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: “ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی بھی کھانا نہیں ، اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔” (عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال:(كان زكريا عليه السلام نجارا)[سنن ابن ماجه: ٢١٥٠، قال الشيخ الألبانى: صحيح] {حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت زکریا بڑھئی تھے۔}

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان بیج بوتا یا درخت اگاتا ہے کہ اس سے انسان یا چرند پرند کھائے تو وہ اس کے لئے صدقہ بنتا ہے۔

اسی ذیل میں یہ بات بھی قابل ذکر اور اہم ہے کہ حضرت انبیاء علیہم السلام بھی عبادت و

دعوت و تبلیغ کے عظیم الشان کام کے ساتھ ساتھ کسب معاش میں مشغولیت رکھتے تھے۔ حضرآدم علیہ السلام نے کھیتی کی خود اس کو پانی دیا خود اس کي نگہ داشت کی خود اس کو کاٹا، خود اس کو پیسا ، خود اس کی روٹی پکائی اور کھائی۔ حضرت نوح علیہ السلام نجاری (بڑھئی) کا پیشہ کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بزاز تھے یعنی کپڑا فروخت کرنے کا کاروبار کرتے تھے۔ حضرت داود علیہ السلام زرہ بناتے تھے۔حضرت سلیمان علیہ السلام کھجور کے پٹھوں کی ٹوکریاں بناتے تھے اورادریس علیہ السلام درزی تھے اورموسی علیہ السلام بکریاں چراتے تھے۔" ۔ اور ہمارے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ و سلم نے بکریاں چرائیں نیز حضرات صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین نے بحری اور بری سفر کر کے تجارت کا مشغلہ اختیار کیا ہے۔

کسب حلال کی اہمیت بیان کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا نبی نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ! کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں ! میں بھی چند قیراط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ حدیث کے راوی سوید کہتے ہیں : آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بکری ایک قیراط کے عوض چراتے تھے۔

جب اللہ تعالی کے آخری پیغمبر بکریاں چراتے ہوں اور وہ بھی اپنی نہیں، بلکہ محنت اوراجرت پر، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کسب حلال کو کتنی اہمیت دیتا ہے اوراسے عظمت بخشتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل میں امت کے لیے درس ہے کہ عظمت ، محنت میں ہے بیکار بیٹھنے یا دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے میں نہیں۔ یہی سبب ہے، کہ صحابہ کرام کی نظر میں بھی کسبِ حلال کی بہت بڑی اہمیت تھی ، بخاری شریف کی ایک روایت ہے: **(عن المقدام رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ما أكل أحد طعاما قط خيرا من أن يأكل من عمل يده وإن نبي الله داؤد عليه السلام كان يأكل من عمل يده) [بخاری: 2072]** "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے لیے بھی اس کے ہاتھ کی کمائی کے کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے۔ اور یہ کہ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے **{قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: "آجَرْتُ نَفْسِي مِن خَدِيجةَ سَفْرَتَيْنِ بِقُلُوصٍ.."والقلوص هي النافة من الإبل،}** " رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا : میں نے دو تجارتی سفر میں خدیجہ کیلئے ایک اونٹنی کے بدلے میں اجیر کے طور پر کام کیا تھا۔" وقال اللہ سبحانہ وتعالی : **(وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا)[الفرقان: ٧]** "اور انہوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے؟ کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا جاتا؟ کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا بن جاتا".وقال أيضًا: **(وَما أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ)[الفرقان من الآية: ٢٠]**." ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنا دیا۔ کیا تم صبر کرو گے؟ تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے" . نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور نبیوں کے بازاروں میں گھومنے کی وضاحت یہ کی گئی ہے اللہ کی زمین میں گھوم پھرکرتجارت کے ذریعہ حلال رزق کی سعی کرتے تھے. جب اللہ نےمدینہ میں قانون جہاد نافذ کردیا تو آپ کیلئے اموال کفار کو غنائم کے طور پر حلال کردیا جسے آپ کے قبل کے کسی نبی کیلئے جائز نہیں تھا".**عن ابن عمر، - رضي الله عنهما قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم "بُعِثْتُ بينَ يَدَي**

السَّاعَةِ بالسَّيْفِ حتَّى يُعبَدَ اللهُ وحدَه لا شريكَ له، وجُعِل رزْقِي تحتَ ظِلِّ رُمْحِي" ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر تے ہیں کہ آپ نے فرمایا : مجھے قیامت سے پہلے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا تاکہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے اور میری روزی میرے نیزے کے سائے میں رکھی گئی. حافظ ابن حجر بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم افضل المکاسب کو بیان فرمارہے ہیں یہ بھی کسب ید ہے جسے جہاد کے ذریعے کفارکے اموال سے حاصل کیا جاتاہے.اور یہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم اور اصحاب النبی کا مکسب تھا اوریہ اشرف المکاسب ہے جس سے اعلاء کلمہ اللہ اور نفع آخرت کا عظیم مقصد حاصل ہوتاہے اور دشمن کی ذلت و خواری ہوتی ہے. حضرات! کسب حلال، شرافت کی علامت اور عزت ووقار کی دلیل ہے۔ انسان جب کسب حلال میں سر گرم رہتاہے تو اس کو نہ مسکنت چھوتی ہے، اور نہ وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتاہے۔ بےشک دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا ایک معیوب چیزہے۔

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھاکہ{ **عن لقمان الحكيم أنه قال لابنه:(يا بني استغن بالكسب الحلال عن الفقر فإنه ما أفتقر أحد قط إلا أصابه ثلاثُ خصال:' رقةٌ في دينه ، وضعفٌ في عقله ، وذهاب مروءته**} اے میرے بیٹے کسب حلال کے ذریعہ فقر سے استغنا حاصل کرو۔ اس لیے کہ جس کو فقر لاحق ہوجاتا ہے، اس کے اندر تین خصلتیں پیدا ہوجاتی ہیں؛ (۱) دین میں کمزوری اور نرمی، (۲)عقل میں ضعف اور (۳) زوال مرو ت۔ اس کے برعکس کسب حلال میں منہمک رہنے سے؛(۱) انسان کی معیشت اچھی رہتی ہے۔ (۲) دین کی سلامتی بھی نصیب ہوتی ہے۔(۳) عزت وناموس کی حفاظت بھی ہوتی ہے۔(٤) چہر ے سے نور ٹپکتاہے، اور لوگوں کی نگاہوں میں باوقار رہتاہے

مگر کسب حلال اس وقت ہے جب کسب معاش کا طریقہ بھی حلال ہو اور شئ مطلوب بھی حلال ہو۔ ورنہ پھر کسب معاش وبال جان بن جاتا ہے۔ حرام طریقے سے کمائی ہوئی چیز اور حرام چیز دونوں ہی اللہ کے نزدیک غیرمقبول اورمستحق عذاب ہے۔ اور سماج میں بھی باعث ننگ وعار اور شرمندگی وندامت کا سبب ہے۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ زہد فی الدنیا کیا ہے؟ سب سے بڑا زہد فی الدنیا یہ ہے کہ انسان حرام چیزوں کو ترک کردے۔ یہ کوئی زہد اور تقویٰ کی بات نہیں ہے کہ ایک طرف حرام چیزوں سے رزق حاصل کرے یا دوسروں پر ظلم کرےاور دوسری طرف زہد کا لبادہ اوڑھے رکھے۔

آج پوری امت مسلمہ دنیا پرستی میں مگن ہے اور اکتساب مال کے لیے نہ حرام چیزوں کی پرواہ کی جاتی ہے اور نہ ہی حرام طریقہ سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ بلکہ اکتساب مال میں تمام جائز وناجائز حربوں کوآزمانا کمال فن سمجھاجاتاہے۔ اس سے کوئی مطلب نہیں کہ یہ مال کہاں سے آتاہے اور اس کا مصرف کیا ہے؟ اس کے اثرات سے یہ نوبت آجاتی ہے کہ :(**قد يصبح الإنسان مؤمنا ويمسي كافرا، وقد يمسي مؤمنا ويصبح كافرا**) "آدمی کبھی ایمان کی حالت میں صبح کرتا ہے، تو کفر کی حالت میں شام کرتاہے۔ اور کبھی ایمان کی حالت میں شام کرتا ہے تو کفر کی حالت میں صبح کرتا ہے۔" یہی لوگ دینار اور درہم کے بندے ہیں، جن کے لیےسخت وعید آئی ہے۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو مخاطب کرکے فرمایا تھا: (**كن في الدنيا كأنك غريب أو**

عابرسبیل)[بخاری:۶۴۱۶، وابن ماجہ] " تم دنیا میں اجنبی اور مسافر بن کر رہو۔ چونکہ انسان جب تک سفر اور غربت وطن میں رہتا ہے تو وہ حد درجہ محتاط اور دامن بچاکررہتاہے۔
انسان کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ جب تک اس کے رزق کا ایک دانہ بھی باقی ہے اس کو موت نہیں آسکتی ہے۔ لہذا انسان کو اللہ سے ڈرنا چاہئے اور کسب معاش میں حلال طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ **(عن جابر بن عبدالله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: (لا تبسطوا الرزق فإنه لن يموت العبد حتى يبلغه آخر رزق هو له، فأجملوا في الطلب: أخذ الحلال وترك الحرام)[أخرجه ابن حبان فى صحيحه، قال شعيب الأرنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم]**
"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رزق کو زیادہ مت پھیلاؤ۔ اس لیے کہ کوئی بھی انسان اس وقت تک نہیں مرےگا، جب تک اسکی آخری روزی بھی اسکو نہ مل جائے جو اس کی تقدیر میں تھی۔ لہذا کسب حلال اور ترک حرام میں اچھا طریقہ اختیارکرو۔
عربی کا مقولہ ہے: **"الخير كله الخير" [حلية الأولياء: ۳۶۱/۲]** یعنی "خیر سراپاخیر ہی ہوتاہے" اور جب خیر اور تقویٰ دونوں اکٹھے ہوجائیں، تو سونے پر سہاگہ ہے۔ اور جو شخص خیر کےساتھ اللہ سے ڈرتا ہے، تو اللہ اس کے ہر غم کو دور کر دیتاہے ، اور اسے تنگی سے نکلنے کا راستہ عنایت کرتاہے، اور ایسی جگہ سے رزق عطا کرتا ہے، جس کا اس کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ لہذا جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اس پر اللہ کی زمین کبھی تنگ نہیں ہوسکتی ،اورنہ ہی اس کی معیشت تنگ ہو سکتی ہے۔
کسبِ رزق کے سلسلہ میں مندرجہ بالا اسلامی تعلیمات سے معلوم ہواکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و سلم نے کسب رزق حلال کو بہت بڑی اہمیت دی ہے اوراس کے لیے اپنے پیروکاروں کو بہت تاکید کی ہے ۔ دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ معاشی خوش حالی انسان کے عقیدہ ، ایمان ، اخلاق اور کردار ، فکر اور فہم پر بہت مثبت اثر چھوڑتی ہے، جب کہ معاشی بد حالی اس کے برعکس انسانی عقیدہ ، اخلاق، فکر اور فہم پر بہت منفی اثر چھوڑتی ہے ،اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و سلم اپنے پیروکار کو جائز طریقہ سے جدوجہد کرکے معاشی خوشحالی حاصل کرنے کی تاکید کرتے ہیں . اورا س کے لیے بہت ترغیبات دیتے ہیں۔ معاشی بد حالی کی وجہ سے انسان کے عقیدہ ، ایمان ،ا خلاق اورکردار ، فکر اور فہم پر کیا منفی اثرات پڑتے ہیں ؟ اس کا اندازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے فرمایا : **"كاد الفقر أن يكون كفرا"** کہ بھوک اوربد حالی انسان کو کفر کے قریب پہنچا دیتی ہے ۔" یہی سبب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھوک اور بد حالی کو مصیبت سمجھتے ہوئے اس سے بچنے کے لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگا کرتے تھے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں سے ظاہر ہے : **"اللهم انى اعوذبک من الكفر والفقر"** {یا اللہ! میں کفر اور بھوک اوربدحالی سے تیری پناہ مانگتا ہوں}" **اللهم انى اعوذبک من الفقر والقلة والذلة"** {یا اللہ! میں بھوک اوربد حالی، قلت یعنی مال کی کمی اور ذلت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔} معلوم ہوا کہ بھوک اوربد حالی یا فقر وفاقہ ایسی مصیبت ہے جو انسان کو کفر کے قریب پہنچا دیتی ہے، ایسی صورت حال میں انسان کے لیے اپنے عقیدہ اورایمان کو بچانا بہت مشکل کام ہو جاتا ہے ، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بچنے کے لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ مسلمان حدود شریعت میں رہتے ہوئے حلال و حرام، جائز و ناجائز، غلط اور صحیح کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی مشغلہ اختیار کرتے وقت نیت اور مقصود یہ ہو کہ رزق حلال حاصل ہو تو یہ بھی دین ہے اور جب یہ دین ہے تو اس پر یقینا ثواب ملے گا۔ کاروبارحیات میں جدوجہد کرنا اور سماج و معاشرے میں باعزت اور باوقار زندگی گزارنے کے قابل خود کو بنانے کے لئے تگ و دو کرنا یہ دین ہے۔ دین کا دائرہ محدود اور تنگ نہیں ہے بلکہ اس میں وسعت ہے وہ پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔کسب معاش کے ذریعہ اگر ایک شخص خوشحالی حاصل کرتا ہے تو بہت سے نیک کام کر کے ثواب حاصل کر سکتا اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔ مثلاً زکوٰۃ، خیرات دنیا، محتاجوں، غریبوں کی مدد کرنا، دین کے کاموں میں تعاون کرنا، قومی و ملی امور میں خرچ کرنا، فلاحی کاموں میں پیسہ خرچ کرنا ، ایسے کاموں میں مال خرچ کرنا جو صدقہ جاریہ کا حکم رکھتے ہیں اور جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتاہے۔ ظاہر ہے یہ سب امور کارخیر ہیں اور موجب ثواب ہیں اور دین میں داخل ہیں آج کے دور میں خاص طور پر یہ ضروری ہے کہ مسلمان معاشرتی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے ہوئے اپنے آپ کو باوقار اور سربلند قوم کی حیثیت میں پیش کرنے کی کوشش کریں اور یہ باور کرائیں کہ یہ بھی دین ہے۔ آخری بات یہ کہ احکام شریعت کی پاس داری کرتے ہوئے اور حتیٰ الامکان جھوٹ فریب، دغا، بدعہدی وغیرہ برائیوں سے دامن بچاتا چلے تو مسلمان کی دنیا بھی دین ہے اور اس پر ثواب ملتا ہے۔

هذا والله الموفق والهادي إلى سواء السبيل.

محمد إنعام الحق قاسمي
mihqasmi@gmail.com

بسم الله الرحمن الرحيم

ذاكر الأعظمی.....الرياض

دهشت گردی اور دهشت گرد سنت نبوی کی روشنی میں

اس مقالہ میں سنت نبوي كي روشني میں دہشت گردي كے موضوع سے متعلق تجزيہ پيش كرنے كي كوشش كي گئي ہے۔ سب سے پہلے ايك بنيادي سوال جسكي طرف ہر مرحلہ میں متوجہ رہنا ضروي ہے وہ يہ ہے كہ دہشت گردي اور دہشت گردانہ اقدامات كے متعلق نبي كريم ﷺ كا موقف كيارہا ہے؟ كيا دور نبوی ﷺ میں اس قسم كے اقدامات خود آپكے ذريعہ يا آپكے حكم سے كبھي انجام پائے ہيں؟ كيا آج كے دور میں خاص طور پر موجودہ قانوني و سياسي زبان میں آج سے چودہ سو برس پہلے رونما ہونے والے واقعات كا عصري قوانين اور اقدار كي روشني میں تجزياتي مطالعہ كرنا صحيح ہوگا؟ ماضي بعيد كے واقعات خصوصاً مدينہ كے عہد شكن يہوديوں كے خلاف كئے گئے اقدامات كو كس تناظر میں ديكھا جانا چاہئے؟

آج جس چيز كو 'ٹيرر' كے نام سے جانا جاتا ہے اسكي تاريخ دو ہزار سال پراني ہے اور معتبر تاريخي كتب كے مطابق پہلي صدی عيسوي میں اسكي شروعات مذہبي جذبات كے تحت انتہا پسند يہوديوں كے سيكاري نامي فرقہ نے كي تھی ليكن اسكے بعد سے آج تك اس قسم كے اقدامات اور ان میں استعمال ہونے والے وسائل كافي مختلف اور پيچيدہ رہے ہيں۔ حتي كہ تاريخ اسلام سے متعلق بعض اسلامی كتب میں پيغمبر اسلام ﷺ كي طرف كچھ ايسي چيزيں منسوب كی گئي ہيں جن كي وجہ سے بعض سادہ لوح لوگوں كو يہ شبہ ہونے لگا ہے كہ شايد نبي كريم ﷺ بھي (نعوذ باللہ) دہشت گردي كے مرتكب ہوئے ہيں۔

مصادر سيرت كے مطالعہ سے يہ بات ثابت ہوتي ہے كہ نہ صرف يہ كہ شريعت اسلامي میں 'قتل' 'ارہاب' اور 'اغتيال' جيسے الفاظ كے ذريعہ دہشت گردي كي مذمت كي گئي ہے بلكہ نبي كريم ﷺ ہميشہ مفيد سماجي اقدامات اور انصار ومہاجرين كے درميان عقد اخوت كے ذريعہ ميل و محبت برقرار ركھنے كي كوشش كرتے تھے، حتي كہ يہوديوں خصوصا تين بڑے قبيلوں، بني قينقاع، بني قريظہ، اور بني نضير كے درميان اتحاد و ويگانگت كي فضا كو برقرار ركھنے اور تمام مسلم وغير مسلم شہريوں كو امن و سكون فراہم كرنے پر بہت زور ديتے تھے۔

اگر چہ چند روايتوں میں نبي كريم ﷺ كے دور میں بعض مخالف يہوديوں كو قتل كئے جانےكے واقعات موجود ہيں، ليكن اگر غور كيا جائے توسمجھ میں آتا ہے كہ ان روايتوں كے ضعيف ہونے كے علاوہ انميں مذكور اقدامات كو براہ راست بني كريم ﷺ كي ذات گرامي كي طرف منسوب نہيں كيا جاسكتا۔ بلكہ ان اقدامات پر دہشت گردي يا دہشت گردانہ اقدامات كا عنوان ہي صادق نہيں آتا ہے۔ لہذا مذكورہ اقدامات كے بارے میں، جنگي كاروائيوں اور اصول جنگ كے دائرہ میں تحقيق كي جاني چاہئے۔

دور نبوی ﷺ میں مخالفين كو قتل كرنا مطلق جائز اقدام تھا، ليكن نبی اسلام ﷺ نے اخلاقي قوانين اور شرعي ممانعت كے ذريعہ، دہشت گردانہ طريقوں سے كسي بھي انسان كے قتل پر پابندي عائد كردي۔

زمین میں فتہ وفساد کی آگ بھڑکانے والے اور موجودہ زمانے کی اصطلاح میں دھشت گردوں کی دم دبانے والے آخر وہ کون سے اصول وقوانین تھے کہ دیکھتے ھی دیکھتے زمین عدل وانصاف اور امن وآشتی کا گھوارہ بن گئی؟

در اصل وہ اصول وقوانین نبی کریم ﷺ کے نافذ کردہ تھے . اگر رسول اکرم ﷺ نے اسلامی حکومت کے استحکام کے بعد اس سرزمین کے فتہ وفساد کی چنگاری کو بجھانے کے لئے اللہ کے مقرر کردہ حدود وتعزیرات کو نافذ نہ کرتے تو پھر زمین میں کبھی بھی امن وامان دیکھنے کو نہ ملتا، لیکن قربان جائئے آقائے نامدار ﷺ کی ذات اقدس پر کہ اسلامی قانون "قصاص" یعنی خون کا بدلہ خون کی تعلیم دے کر ساری انسانیت کے لئے امن وسکون کا ماحول میسر فرمایا.

اس سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ کا ایك دھشت گر گروہ کے ساتھ برتاؤ کا ایك واقعہ سنتے چلئے:

بخاری ومسلم میں انس بن مالك سے مروی ھے کہ قبیلئہ عرینہ کے آ ٹھ آدمی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ھوئے اور اسلام پر بیعت کی. انھیں مدینہ کی آب وھوا راس نہ آئی، جس کے سبب ان کے جسم کمزور ھو گئے تو انھوں نے آپ ﷺ سے اس بات کا شکوہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تم لوگ ایسا کروگے کہ ھمارے چرواھوں کے ساتھ ان کے اونٹوں میں نکلو اور انکا پیشاب اور دودھ پیو؟ انھوں کہا ھم نکلیں گے . چنانچہ وہ لوگ نکلے اور اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پینے لگے اور جب صحتیاب ھو گئے تو چرواھے کو قتل کردیا (مسلم کی روایت کے مطابق چرواھے کی آنکھوں میں سلائیاں بھی پھرائیں) اور اونٹوں کو ھکا لے گئے. جب آپ ﷺ کو اسکی اطلاع ملی تو آپ نے ان کے پیچھے (بروایت مسلم) بیس شھسواروں کو دوڑایا. چنانچہ ان (دھشت گردوں) کو پکڑ کر دربار نبوي ﷺ میں حاضر کیا گیا اور آپ ﷺ کے حکم کے مطابق ان کے ھاتھ پاؤں کا ٹ دئے گئے اور انکی آنکھوں میں سلائیاں بھی پھرائی گئیں، اور شدید دھوب میں انھیں دال دیا گیا. مسلم کی روایت کے مطابق انھوں نے پینے کے لئے پانی طلب کیا لکین انھیں نھیں دیا گیا (بخاری الدیات / القسامة (٦٨٩)، مسلم القسامة / حکم المحاربین والمرتدین (١٦٧١).

دہشت گردي اور خفیہ طور پر کسي کو قتل کرنے کے سلسلہ میں متعدد روایتیں موجود ہیں جنکے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوجاتي ہے کہ اسلام کي نگاہ میں دہشت گردي کي سخت مذمت کي گئي ہے.

ارشاد باری تعالی ہے:

قُلْ تعالَوا أتلُ ما حرم ربكُم عليكُم ۖ ألا تشرِكُوا بِه شيئًا ۖ وبِالْوالدينِ إحسانا ۖ ولا تقْتُلُوا أولادكُم من إملاقٍ ۖ نحن نرزقُكُم وإياهم ۖ ولا تقْربوا الْفواحِش ما ظَهر منها وما بطَن ۖ ولا تقْتُلُوا النفْس الَّتي حرم اللَّه إلا بِالْحق ۚ ذَلكُم وصاكُم بِه لَعلَّكُم تعقلُونَ {الأنعام: ١٥١}

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ آؤ ہم تمہیں بتائیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا کیا حرام کیا ہے .... خبردار کسي کو اس کا شریك نہ بنانا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا ۔ اپني اولاد کو غربت کي بنا پر قتل نہ کرنا کہ

ہم تمہیں بھي رزق دے رہے ہیں اور انہیں بھي ... اور بدکاریوں کے قریب نہ جانا وہ ظاہري ہوں یا چھپي ہوئي اور کسي ایسے نفس کو جسے خدا نے حرام کردیا ہے قتل نہ کرنا مگر یہ کہ تمہارا کوئي حق ہو .یہ وہ باتیں ہیں جن کي خدا نے نصیحت کي ہے تاکہ تمہیں عقل آجائے"

ايك دوسرے مقام پر انسانی جان کی حرمت ان الفاظ میں بیان کی گئ ھے :

مِن أَجلِ ذَٰلِكَ كَتَبنا عَلىٰ بَنِي إِسرائيلَ أَنهُ مَن قَتَلَ نَفْسا بِغَيرِ نَفْسٍ أَوِ فَسادٍ فِي الْأَرضِ فَكَأَنما قَتَلَ النَاسَ جَميعا وَمَن أَحياها فَكَأَنما أَحيَا النَاسَ جَميعا ۚ وَلَقَد جاءَتهُم رُسُلُنا بِالْبَيِنات ثُم إِن كَثيرا مِنهُم بَعدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرضِ لَمُسرِفُونَ {مائدة: ٣٢}

ترجمہ: اس بنا پر ہم نے بني اسرائیل پر لازم کیا کہ جس نے کسی جان کو قتل کیا بغیر اس کے کہ وہ جان کا بدلہ ہو یا روئے زمین میں فساد مچایا ہو تو اس نے گویا سارے انسانوں کو قتل کردیا، اور جس نے ایك نفس کو زندگي دے دي اس نے گویا سارے انسانوں کو زندگي دے دي اور بني اسرائیل کے پاس ہمارے رسول کھلي ہوئي نشانیاں لے کر آئے مگر اس کے بعد بھي ان میں کے اکثر لوگ زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہي رہے.

مذکورہ قرآني آیات میں فتك،اغتیال یا ارھاب 'دہشت گردي' کے معني میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ لفظ 'قتل' آیا ہے جو کہ خفیہ طور پر کسي کو قتل کرنے پر بھي صادق آتا ہے۔ لہذا یہ کہا جاسکتاہے کہ اسلام کسي بے گناہ کو قتل کرنے کي اجازت نہیں دیتا۔ مثلا سورۂ بقرہ کي آیت نمبر ایك سو اٹھتر میں اگرچہ قصاص کو ورثاء کا حق قرار دیا گیا ہے لیکن پھر بھي انہیں معاف کرنے یا صرف دیت پر اکتفا کرنے کي تاکید کی گئی ہے اور دیت کي ادائیگي کے سلسلہ میں طرفین کو عدل و انصاف سے عمل کرنے کي تلقین کی گئی ہے ۔

بعض آیات و روایات کے ظاہري مفہوم سے بعض لوگوں کو قتل کرنے کي ممانعت ثابت نہیں ہوتي ہے، لیکن انہیں آیات و روایات کا اگر دقیق مطالعہ کیا جاۓ تو نتیجہ اسکے برعکس نظر آتا ہے۔

مندرجہ ذیل آیات کي روشني میں بعض انسانوں کو قتل کرنا جائز ہے:

يا أَيها الذين آمنوا كُتب عَلَيكُم الْقصاص فِي الْقَتلَى{البقرة: ١٧٨}
ترجمہ: اے ایمان لانے والو تمہارے اوپر مقتولین کے بارے میں قصاص لکھ دیا گیا ہے۔

یا

إِنما جَزاءُ الذين يحارِبونَ الله ورسولَه ويسعونَ فِي الْأَرضِ فَسادا أَنْ يقَتلُوا أَو يصلبوا أَو تقَطع أَيديهم وأَرجلُهم من خلَاف أَو ينفَوا من الْأَرضِ {المائدة: ٣٣}

ترجمہ: بس خدا و رسول سے جنگ کرنے والے اور زمین میں فساد کرنے والوں کي سزا يہي ہے کہ انہيں قتل کردیا جائے یا سولي پر چڑھا دیا جائے یا انکے ھاتھ۔ پاؤں کاٹ دئے جائیں یا انھیں ملك بدر کر دیا جائے.

قاتل، زمین پر فساد برپا کرنے والے اور جنگ کرنے والوں کے قصاص سے مراد کیا ہے؟ اور یہ کون لوگ ہیں؟ قرآني اصطلاح میں قصاص سے قاتل کي سزا کا ایك قانون مراد لیا جاتا ہے۔ لہذا سورۂ بقرہ کي آیت نمبر ایك سو اٹھتر میں قصاص سے کسي کو قتل کردینا مراد نہیں لیا جاسکتاہے۔ بلکہ کسي کو علیٰ الاعلان قتل کرنا، قصاص کي ایك قسم ہے۔ اگر کوئي شخص کسي دوسرے کو جان بوجھ کر بے گناہ قتل کرے تو ایسے انسان کو قتل بھي کیا جاسکتاہے یا اسکے ورثاءقاتل کو معاف بھي کرسکتے ہیں اور اسکو صرف دیت ادا کرنے کي سزا دي جاسکتي ہے۔ لہذا قصاص معاشرہ کے فاسد اور مجرم افراد کو ختم کرنے کا ذریعہ ہونے کے ساتھ۔ ساتھ۔ معاشرہ کي امن و سکون کا بھي ضامن ہے۔

سورۂ مائدہ کي آیت نمبر ۳۳ میں جو کہ صرف دور پیغبرﷺ سے مخصوص نہیں ہے، محاربین سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں پر تلوار کھینچتے تھے، اور انہیں جان سے مارنے کي دھمکي دیکر یا قتل کرکے انکا مال و اسباب لوٹ لیا کرتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ 'محارب' سے مراد وہ شخص ہے جو زور و زبردستي اور اسلحہ کے ذریعہ کسي انسان کي جان و مال پر حملہ کرتاہے۔ چور خواہ شہر کے باہري علاقہ میں یہ کام انجام دے یا شہر کے اندروني علاقہ میں، لیکن چونکہ لفظ 'محارب' لفظ' افساد' کے ہمراہ ذکر ہوا ہے لہذا خدا سے جنگ کا مطلب، زمین پر قتل و غارتگري اور معاشرہ کے امن و سکون کا سلب کرنا ہے۔ ایسا شخص اگر جان بوجھ کر کسي کو قتل کردے تو اسکي سزا قتل ہے اور اگر صرف چوري کي ہو تو اسکي سزا یہ ہے کہ اسکا ایك ہاتھ اور مخالف پیر کاٹ دیا جاۓ۔(یعني دایاں ہاتھ بایاں پیر یا بایاں ہاتھ اور دایاں پیر، اور اگر راستے میں خوف ودھشت کا بازار گرم کرے لیکن مال واسباب نہ لوٹے اور نہ ھی قتل کے جرم کا مرتکب ھو تو اسکو ملك بدر کردیا جائے گا (فتح القدیر (٤٠/٢)، دار الوفاء، ١٩٩٤م، طبع أول).

مذکورہ آیات اور انکي تفسیر کي روشني میں نبي کریم ﷺ کے ذریعہ کعب بن الاشرف اور قبیلۂ بني نضیر کے یہودیوں کو قتل کرنے کے سلسلہ میں جاري کردہ فرمان کو کسي بھي عنوان سے دہشت گردي نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ اسمیں دہشت گردي کي علامتیں نہیں پائي جاتي ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ نبي اکرم ﷺ حاکم اسلامي تھے اور چونکہ حاکم اسلامي کو قضاء کا بھي اختیار حاصل ہوتا ہے۔ لہذا نبي کریمﷺ اپنے اس عہدہ کي بنا پر، اسکا جرم ثابت ہونے کے بعد اسکو قتل کرنے کا علیٰ الاعلان حکم دیا ہے اور قتل کے طریقہ کو بھي بیان کیا ہے۔ اس مقام پر ایك اور قابل غور نکتہ یہ ہے کہ کوئي بھي شخص کسي کو اپنے تشخیص کي بنا پر قتل نہیں کرسکتا ہےبلکہ پہلے اسکے لئے ضروري ہےکہ کوئي ایسا باصلاحیت مرجع ہو جسکي صلاحیت کي عقلا اور شرعا تائید کي گئي ہو مثلا نبي کریم کي ذات مبارك، اور وہ کسي کے مجرم ہونے کي تائید کرے اور پھر ایك فرد یا کئي افراد ملکر اسکے حکم کو عملي جامہ پہنائیں۔ نبي اکرم ﷺ نے کعب کے مجرم ہونے کي بنا پر ہي اسکو قتل کرنے کا حکم صادر کیا تھا۔ لیکن اسکا جرم کیا تھا؟ اسکا جرم یہ تھا کہ نبي اکرم ﷺ اور مسلمانوں نے یہودیوں کے ساتھ صلح اور میل و محبت کے ساتھ زندگي گذارنے کا معاہدہ کیا تھا لیکن اس نے معاہدہ کي خلاف ورزي کي اور رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں سے جا ملا، اس نے دشمنوں کي مالي اور نفسیاتي طور پر مدد کي ،

انکے لئے سپاہي بھي فراہم کئے، ان کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کي تشویق کي اور مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ اسکے علاوہ وہ مسلمان عورتوں کو بھي ستاتا رہتا تھا، انہیں آزار و اذیت دیتا تھا۔ جنگ بدر کے خاتمہ اور مشرکین کي شکست کے بعد اس نے مکہ کا رخ کیا اور جنگ میں ہلاك ہونے والوں کے گھروں میں جاکر قریش کے مردوں اور عورتوں کو جمع کرکے انکے مقتولین کي شان میں اشعار سنانا شروع کئے اور اسکے ذریعہ انکے جذبات کو خوب بھڑکایا تاکہ نتیجتا وہ لوگ جوش میں آکر مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ قریش کے خلاف اسکے بعد لڑي جانے والي جنگیں کعب کي انہیں حرکتوں کا نتیجہ تھیں۔ انکےعلاوہ وہ نبي کریم ﷺ کي بارے خرافات مشہور کرتا اور افواہیں پھیلاتا اور اسلامي اصول پر اعتراض کیا کرتا تھا۔

رسول اکرم ﷺ نے بعض مقامات پر کچھ افراد کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ مدینہ میں بہت سارے ایسے لوگ بھي تھے جو مسلمانوں کي توہین کیا کرتے تھے، انکے دشمنوں کي مدد کیا کرتے تھے، معاشرہ کا امن و سکون غارت کرتے تھے، مسلمانوں کي عورتوں کي عزت و آبرو کو نشانہ بناتے تھے اور رسول اکرم ﷺ کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان کے بھي پابند نہیں تھے، ظاہر ہے رسول اکرم ﷺ اگر ایسے افراد کو قتل کرنے کا حکم دیں تو اسے کسي بھي صورت میں دہشت گردي نہیں کہا جاسکتاہے۔ کیونکہ دہشت گردي خفیہ طور پر انجام دي جاتي ہے، اسکي خاصیت یہ ہے کہ عوام میں خوف و دہشت پیدا کرتي ہے اور دہشت گردي کا شکار ہونے والا کسي طرح کي قانوني چارہ جوئي کے بغیر ہي قتل ہوجاتا ہے۔ لیکن رسول اکرم ﷺ نے منصب قضاء پر ہوتے ہوئے اعلانیہ طور پر ان لوگوں کے قتل کا حکم صادر کیا ہے۔ دہشت گردي کے برخلاف اس قسم کے اقدامات معاشرہ میں امن و سکون کے اضافہ کا سبب ہوتے ہیں۔ لہذا نبي کریم ﷺ کي سیرت طیبہ میں کہیں بھي دہشت گردي کی کاروائي کا سراغ نہیں ملتا ہے۔ بلکہ نبي کریم ﷺ سے نقل شدہ متعدد روایتوں میں 'ٹیرر'(دہشت گردي) کي ممانعت کي گئي ہے۔ وہ رسول جو نبي رحمت ہو کیسے کسي انسان کو بغیر کسي حساب و کتاب کے قتل کرنے کی اجازت دے سکتا ھے؟ ھم ابنی بات کو اقبال سہیل کے ان نعتیہ اشعار پر ختم کرتے ھیں:

راہ میں کانٹے جس نے بچھائے ، گالی دی پتھر برسائے
اس پر چھڑکی پیار کی شبنم ﷺ
سم کے عوض داروئے شفادی، طعن سہے اور نیك دعا دی
زخم سہے اور بخشا مرھم ﷺ

==========

ذاکر الأعظمی، الریاض
موبایل: ۰۰۹۶۶۵۴۰۵۱۱۱۷۰
Email: zakir.azmi@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور اکرم ﷺ کی شان عبدیت (بندگی)

نحمده ونصلي على رسوله الكريم ، أما بعد!

صدر محترم، اور سامعین کرام!

یہ میرے لئے بڑی مسرت و شادمانی ، اور سعادت و خوش بختی کا مقام ہے کہ دیار غیر میں سیرت نبوی کے موضوع پر مقالہ نویسی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ علما و فضلاء مدارس اسلامیہ اور دیگر اہل علم کے اندر ایک طرح کی امنگ، اور انکی سوئی ہوئی علمی و فکری زندگی میں ایک طرح کی ہم آہنگی اور تحریک پیدا کی جائے۔ یہ ان لوگوں کے لیئے بھی بڑا فائدہ مند ہوگا جو اپنے وطن سے دور ہو کر کسب معاش کی تلاش میں ذہنی و فکری جمود وتعطل کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں، لہذا آج کی یہ صبح نو ہمکو یہ پیغام دے رہی ہے۔کہ

کھول آنکہ زمیں دیکھ ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

یقینا یہ قدم قابل ستائش، اور مبارک باد کا مستحق ہے، میری دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس عمل کو قبول فرماکر آخرت میں سرخ روئی کا ذریعہ بنائے۔• **آمین**•

حضرات!چونکہ مجھے حضور ﷺ کی شان عبدیت پر گفتگو کرنی ہے اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عبدیت کی تھوڑی سی لغوی تشریح و وضاحت کر دی جائے۔
عبدیت اصل میں عربی زبان کے لفظ عبد سے بنا ہے جس کے معنے ہیں: مکمل اطاعت و فرمانبرداری اور تواضع وانکساری، اور شریعت اسلامیہ کی اتباع و پیروی کرنا۔ علماء کرام نے اسکی دو قسمیں کی ہیں: نمبر ۱ ۔اجباری نمبر ۲ ۔ اختیاری ۔
اجباری کی مثال: جیسے نماز، روزہ ، زکات اور حج وغیرہ ،اور وہ تمام امورجن کے کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ اور وہ امور جن کو کرنے سے روکا گیا ہے۔ یہ عبودیۃ اجباریۃ میں داخل ہیں۔
اختیاری کی مثال: جیسے نفلی نماز نفلی روزہ ، صدقہ وخیرات، اسی طرح تہجد ، اشراق اور چاشت کی نماز وغیرہ۔ یہ عبودیۃ اختیاریۃ میں داخل ہیں۔
صدر محترم! میں وقت کی پا بندی کا خیال رکھتے ہوے آپ حضرات کے سامنے حضور کی عبدیت کا صرف وہ پہلو پیش کرنے کی کوشش کرونگا جن کا تعلق مندرجہ ذیل عنوان سے ہے : عبادت وریاضت، زہدو استغناء، تواضع و انکساری صبرو عز یمت اور شکر و نیاز مندی۔
حضور اکرم ﷺ کی سیرت پاک کا ہر پہلو تمام انسانوں کے لئے وہ نعمت اور تو شہ ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ پر مختلف عنوان سے اور مختلف پہلوؤں پر ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں کتابیں اور صحیفے لکھے گئے ہیں۔ اور تا قیامت

یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ میرے نزدیک یہ ایک معجزہ ہی ہے۔ جس کی مثال دوسرے انبیاء کرام اور بانیان مذاہب و پیشواوں کی سیرتوں میں نہیں ملتی۔ بقول سید سلمان ندوی :"
آپ موجودہ مذاہب کے بانیوں کی سیرتوں کے تمام صفحے پڑھ جایئے۔ آپکو دلچسپ اور دل آویز حکایتیں ملینگی ۔ خطیبانہ بلند آہنگیاں ملینگی۔ تقریر کا زورو شور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئیگا۔ مگر جو چیز نہیں ملے گی وہ عملی زندگی اور احکام ونصائح پر عمل کر کے دکھانا ہے ۔ (خطبات مدارس)
عام طور سے لوگ یہ گمان کرتے ہے کہ عبدیت سے مراد صرف نماز ،روزہ اور زکاۃ کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنا ہے ،جبکہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا ہر پہلو ، پیدائش سے لیکر وفات تک عبدیت سے بھرا ہوا ہے۔
نبوت سے پہلے غار حراء میں آپ ﷺ کا تعبدو تحنث، اور مراقبہ کرنا اسی شان عبدیت کا ایک عکس ہے ،پھر نبوت کے بعد یہ کیفیت اور بڑھ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ حال یہ ہوجاتا ہے کہ پوری پوری رات عبادت میں گزاردیتے ہیں۔ یہاں تک کہ کھڑے کھڑے پائے مبارک میں ورم آ جاتا ہے۔ حضرت عائشہ ﷺ کو آپ کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی ہے، عرض کرتی ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کو اس قدر جان جوکھم میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے؟ حالانکہ آپ معصوم اور بخشے بخشائے ہیں، آپ ﷺ فرماتے کہ اے عائشہ !کیا میں اللہ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں (•افلا اکون عبدا شکورا•) ،(صحیح مسلم)، گویا یہ عبادت اور یہ نماز، خشیت الہی سے نہیں ہے، بلکہ محبت الہی اسکا منشاء و مقصود ہے۔ بقول سید سلیمان ندوی : محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضنحیم ہے ۔ اور تنہا یہی ایک معیار اس فیصلہ کے لیے کافی ہے کہ نبیوں کا سردار اور رسولوں کا خاتم کون ہو سکتا ہے؟ مفید نصیحتوں اور میٹھی میٹھی باتوں اور اچھی اچھی تعلیمات کی دنیاں میں کمی نہیں۔ کمی جس چیز کی ہے وہ عمل اور کام ہے۔(خطبات مدارس)
حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ ہر وقت اور ہر لمحہ اللہ کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔ سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، ملتے جلتے، ہر حال میں ذکر الہی میں مشغول رہتے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: •ویذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم•
آسمان و زمین کی خلقت، سورج و چاند اور ستاروں کے وجود کی حکمت ،اور اسکے فوائد و نقصان کے بارے میں غور و فکر کرنا یہ بھی عبادت ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے : •ویتفکرون فی خلق السموت والارض• پھر انکی خلقت کی حقیقت اور راز کے انکشاف ہو جانے اور جان لینے کے بعد کہتے ہیں •ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحانك فقنا عذاب النار•. اے ہمارے پروردگار تو نے ان آسمان اور زمین اور جو چیزیں انکے درمیان میں ہیں بیکار پیدا نہیں فرمایا، (سورہ آل عمران آیت ۱۹۱)۔ قرآن کریم کے علوم و احکام کی آیتوں میں غور و فکر ، اور تحقیق و جستجو کرنا یہ بھی عبدیت کا ایک پہلو ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے : •افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا•، (سورۃ محمد آیت ۲۴)۔

حضرات گرامی :
جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا کہ عبدیت کا تعلق صرف نماز و روزہ سے ہی نہیں بلکہ انسانی زندگی کے دوسرے شعبے اور افعال و حرکات سے بھی ہے جیسا کہ اللہ تبارک و

تعالی اپنے برگزیدہ بندے کی تعریف کرتے ہوے فرماتا ہے: •وعباد الرحمن الذین یمشون علي الارض هونا، وإذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما، (الی آخرہ)• کہ اللہ کے سچے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی و تواضع کے ساتھ چلتے ہیں ، اور اللہ کے نیک بندے وہ ہیں کہ جب انسے کوئی بے علم مخاطب ہو تو سلام کہکر گزر جاتے ہیں ، اور اللہ کے سچے بندے وہ ہیں جو اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے رات گزار دیتے ہیں، اور اللہ کے سچے بندے وہ ہیں جو کہتے ہیں کے اے ہمارے پروردگار تو جہنم کے عذاب کو ہم سے دور رکھ، اور اللہ کے سچے بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے ہیں تو نہ ہی اصراف کرتے ہیں اور نہ بخیلی اور یہی معتدل راہ ہے،اور اللہ کے سچے بندے وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے، اور اللہ کے سچے بندے وہ ہیں جو کسی ایسے شخص کو ناحق قتل نہیں کرتے جسکو قتل کرنا حرام ہے ،اور اللہ کے سچے بندے وہ ہیں جو زنا کے مرتکب نہیں ہوتے اور جو کوئی ایسا کام کریگا وہ سخت عذام سے دو چار ہوگا۔ (سورۃ الفرقآن ، آیت ۶۸-۶۳)

<u>عبدیت کا ایک پہلو صبر وتوکل اور عزم واستقلال:</u>

حضور اکرم ﷺ کی شان عبدیت کا ایک پہلو، اعتماد، توکل اور بھروسہ بھی ہے۔ اللہ رب العز(ت کا ارشاد ہے "•فاصبرکما صبر اولو العزم من الرسل•" اے محمد ﷺ جس طرح اولو العزم پیغنبروں نے صبرو استقلال کا مظاہرہ کیا آپ بھی کر کے دکھائیں، (سورۃ الاحقاف ، آیت ۳۵)

اور حضور اکرم ﷺ نےاس پر عمل کر کے ثابت کیا۔ آپ ﷺ کو فریضہ حق کی ادائگی سے روکنے کے لیے قریش نے آپ ﷺ کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا؟ ہر طرح کی تکلیفیں پہونچائیں ، جسم مبارک پر نجاست ڈالی گئی، گلے میں چادر ڈال کر پھانسی دینے کی کوشش کی گئی ،راستے میں کانٹے بچھائے گئے، مگر آپ ﷺ پہاڑ کی طرح راہ حق میں جمے رہے ، جب آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے آپ ﷺ کی حمایت سے دست برداری کا اشارہ دیا۔ تو آپ ﷺ نے پورے جوش و ولولہ کے ساتھ فرمایا:(*لو وضعوا الشمس فی یميني والقمر فی یساری علی ان اترک هذا الدین ما ترکته*) اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج ، اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں تب بھی میں اس فرض سے باز نہ آؤ ں گا (سیرۃ ابن ھشام)۔

یاد کیجیے۔ بدر کا معرکہ ہے ، ۳۰۰ نہتے مسلمانوں کا قریش کے ۱۰۰۰ لوہے میں غرق مسلح فوج سے مقابلہ ہے مگر ان تین سو سپاہیوں کا کمانڈراور سپہ سالار خود کہاں ہے؟ ذرا دیکھیے معرکۂ کارزار سے الگ اللہ کی بارگاہ میں دست بدعاء ہے، کبھی پیشانی زمین پر ہوتی ہے، تو کبھی ہاتھ آسمان کی طرف اٹھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اے اللہ ، اگر یہ مٹھی بھر جماعت صفحہ ہستی سے مٹ گئی تو پھر آج کے بعد کوئی بھی تیری عبادت کرنے والا اس روئے زمین پر باقی نہ رہےگا۔

<u>عبدیت کا ایک پہلو زہدو استغناء:</u>

حضرت ابو ذر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں آپ ﷺ کے ساتھ ایک راستے سے گزر رہا تھا کہ راستے میں آپ ﷺ نے فرمایا: ابو ذر! اگر احد کا یہ پہاڑ میرے لئے سونا ہو ،

تو میں کبھی یہ پسند نہ کرونگا کہ تین راتیں گزر جائیں اور اسمیں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہ جائے۔ ہاں مگر یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کے لیے کچھ رکھ چوڑوں۔(صحیح بخاری)

عرب کے گوشہ گوشہ سے جزیہ و خراج ، عشر و زکاۃ اور صدقات کے خزانے کے خزانے لدے چلے آتے تھے، مگر امیر عرب سرور کائنات ﷺ کے گھر میں فقر کا یہ حال تھا کہ کئی کئی روز تک فاقہ ہو تا تھا۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عائشہ ؓ کہا کرتی تھیں کہ نبی ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے مگر دو وقت بھی سیر ہوکر کھانا نصیب نہ ہوا۔ (صحیح بخاری)۔
ایک دفعہ کا واقعہ ہے، کہ جب آدھا عرب آپ ﷺ کے ما تحت ہو تا ہے حضرت عمر ﷺ حاضر دربار ہوتے ہیں ادھر ادھر نظر اٹھا کر حجرہ نبوی کے سامان کاجائزہ لیتے ہیں، آپ ﷺ ایک کھردری چارپائی یا چٹائی پر آرام فرما رہے ہیں، جسم اطہر پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں ۔ ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہوے ہیں اور ایک کھونٹی میں خشک مشکیزہ لٹک رہا ہے۔ سرور کائنات کے گھر کی یہ کل کائنات دیکھ کر حضرت عمر ؓ رو پڑتے ہیں، رونے کا سبب دریافت ہوتا ہے ۔ حضرت عمرعرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ ، اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا؟ کہ قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور آپ پیغمبرہو کر اس حالت میں ہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ "عمر!کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا کے مزے لوٹیں اور ہم آخرت کی سعادت" (صحیح بخاری)

<u>عبدیت کا ایک پہلو شکر اور نیازمندی:</u>
آئیے، اور فتح مکہ کے دن اسلامی لشکر کی شان وشوکت پر نظر ڈالئے کہ رنگ برنگ کی بیرقوں اور جھنڈیوں کے سائے میں اسلام کا دریا امڈتا چلا آرہا ہے۔ قبائل عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھتی چلی آ رہی ہیں۔ ابو سفیان جو اس وقت تک اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، اور نبی اکرم ﷺ کے بڑے حریف اور دشمن تھے ، حضرت عباس کے ساتھ کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کے اس بحر بیکراں کا تماشا دیکھ رہے تھے، اور حضرت عباس سے کہہ رہے تھے کہ عباس! تمہارا بھتیجا بادشاہ بن گیا ،مگر شاہ کونین اور فاتح مکہ کی کیفیت یہ تھی کہ سرتاپا شکر میں غرق ہیں،شان عبدیت کا یہ تاریخ ساز منظر دنیا نے روئے زمین پر پہلی بار دیکھا، کہ سرور دو عالم ﷺ ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہو رہے ہیں ، مگر سر اٹھا کر نہیں بلکہ نیاز مندی اور عبدیت کا یہ عالم ہے کہ جبین مبارک کجاوہ کو چھو رہا ہے۔ یہ ہے آپ ﷺ کی شان عبدیت کا ایک اعلی نمونہ!
حضرات ذرا بتائیے: کیا موجودہ مذاہب کے پیشوا اور پرستار ،نیز مغربی تہذیب و تمدن کے دعویدار و ٹھیکیدار، ایسی کوئی بھی مثال پیش کر سکتے ہیں ؟ ہرگز نہیں! بلکہ اسکے برعکس آج کل ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ معمولی سی خوشی کے موقعہ پر بھی کتنی جان و مال کا نقصان ہوتا ہے، رقص و سرود کا اسٹیج سجایا جاتا ہے ، جوش قدح سے بزم کو چراغاں کیا جاتا ہے، مگر شکر و نیاز مندی، اور عبدیت و بندگی کا کوئی پہلو دور دور تک نظر نہیں آتا، جو انسانیت کا اصل منشا و مقصود ہے۔
لہذا، اگر دنیا و آخرت کی سعادت وخوش بختی حاصل کرنا چاہتے ہو تو محمد عربی ﷺ کا دامن تھام لو، اور اسلام کی امن وسلامتی میں داخل ہوجاؤ کہ صرف اسی کی آغوش رحمت

میں تمہاری عزت اور کامیابی کا سامان ہے، اور پھر اس کے بعد کبھی ذلیل وخوار اور رسوا نہ ہوگے۔

ادھر آو تمہاری زلف ہم آ رستہ کر دیں
جو گیسو ہم سنوارینگے کبھی برہم نہیں ہو نگے

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکتہ

پیشکش: شبیر احمد ندوی
ریاض، سعودی عرب
موبائل: (+ ۹۶۶ ۵۰۲۸۳۸۴۷۸)